دارالعلوم دیوبند کا ترجمان

ماہنامہ

دارالعلوم

جلد: ۱۰۳ | محرم الحرام ۱۴۴۱ھ مطابق ستمبر ۲۰۱۹ء | شمارہ: ۹

نگراں

حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی
مہتمم دارالعلوم دیوبند

مدیر

مولانا محمد سلمان صاحب بجنوری
استاذ دارالعلوم دیوبند

ترسیل زر کا پتہ: دفتر ماہنامہ دارالعلوم دیوبند - ۲۴۷۵۵۴ یوپی

Tel. : 01336-222429 Fax : 01336-222768
Web : http://www.darululoom-deoband.com
www.darululoom-deoband.com/urdu/magazine
E-mail: info@darululoom-deoband.com

DARUL ULOOM Monthly (Urdu)
R. N. I. No.: 2133/57
Vol. No. 103, Issue No. 9, September. 2019 सितम्बर 2019
Published by Maulana Abul-Qasim Numani
Printed by Maulana Abul-Qasim Numani
Editor :- Maulana Mohammad Salman Bijnori
On Behalf of Darul Uloom Grush.
Place of Publication :- Deoband, Saharanpur, U.P.
Printed at: Mukhtar Printing Press Mohalla Bar Ziyaul Haq
Talehari Chungi. Deoband, Saharanpur. U.P.

Rs. 20/= | Annual Subscription Rs. 200/=

Annual by Regd Post. Rs. 440/=

سعودی عرب، افریقہ، برطانیہ، امریکہ، کناڈا وغیرہ سے سالانہ -/۱۴۰۰ روپے
بنگلہ دیش سے سالانہ -/۷۰۰ روپے، پاکستان سے ہندوستانی رقم -/۷۰۰ روپے

فہرست مضامین

حرف آغاز	وہ جو بیچتے تھے دوائے دل	محمد سلمان بجنوری	۳
خلافت راشدہ	حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد میں انسانی حقوق کا تحفظ	ڈاکٹر ظفر دارک قاسمی	۶
فقہیات	اسلام کا قانون میراث	مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی	۱۶
اصلاح معاشرہ	اسبابِ طلاق — چند غور طلب پہلو	مولانا عبدالرشید طلحہ نعمانی	۲۵
تاریخ ہند	حضرت اورنگ زیب عالم گیرؒ	مولانا شاہد قاسمی سیتاپوری	۳۰
ادبیات	زکی کیفی اور ان کی شعری کیفیات	مولانا ندیم احمد انصاری	۳۹
ذکر رفتگاں	حضرت مولانا محمد طلحہ صاحبؒ....	مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی	۴۷
مسائل وفتاویٰ		مفتیانِ دارالعلوم دیوبند	۵۰
احوال وکوائف		مولانا محمد اللہ قاسمی	۵۳
وفیات		مولانا محمد اللہ قاسمی	۵۵

ختم خریداری کی اطلاع

- ○ یہاں پر اگر سرخ نشان ہے تو اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے۔
- ● ہندوستانی خریدار منی آرڈر سے اپنا چندہ دفتر کو روانہ کریں۔
- ● ایک سال کے لیے اگر بذریعہ رجسٹری طلب فرمائیں تو =/440 روانہ فرمائیں۔
- ● ہندوستان و پاکستان کے تمام خریداروں کو خریداری نمبر کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرف آغاز

وہ جو بیچتے تھے دوائے دل

محمد سلمان بجنوری

۱۰؍ذوالحجہ ۱۴۴۰ھ (عیدالاضحیٰ) کے دن، شیخ المشائخ پیر طریقت حضرت مولانا محمد طلحہ کاندھلوی صاحبؒ بھی رہ گزار آخرت ہوگئے إنا لله وإنا إليه راجعون. گویا ایک عظیم مے خانۂ معرفت کا ساقی رخصت ہوگیا اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی نوراللہ مرقدہ کے نسبی وروحانی جانشین سے اہل محبت محروم ہوگئے۔

حضرت مولانا، موجودہ دور میں اسلاف واکابر کی ایک یادگار اور نمونہ کی حیثیت رکھتے تھے اور اُن کے جانے سے بلاشبہ ایک خلا پیدا ہوا ہے جو شدت سے محسوس کیا جائے گا۔ یہ بات بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ وہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی نوراللہ مرقدہ کے صاحبزادے تھے۔ اس بلند مایہ نسبت کے علاوہ اُن کو اور بھی مبارک نسبتیں حاصل تھیں، مثلاً یہ کہ وہ حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلوی نوراللہ مرقدہ کے نواسے تھے اور حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی نوراللہ مرقدہ کے بھانجے تھے۔ اس خاندانی شرف کے ساتھ ساتھ ان کو اپنے والد گرامی نوراللہ مرقدہ کی برکت سے شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہ اور امام الاولیاء حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری نوراللہ مرقدہ جیسی عالی مقام شخصیات کی شفقتیں حاصل رہیں اور نوعمری میں ان حضرات کی بابرکت صحبت میں رہنے کا موقع ملا۔ ان گوناگوں نسبتوں کی برکات ان کی شخصیت میں محسوس ہوتی تھیں۔

اُن کے والد گرامی حضرت شیخ الحدیث نوراللہ مرقدہ بلاشبہ اُن شخصیات میں سے تھے جن پر بیسویں صدی فخر کرسکتی ہے، وہ اپنے کمالات وخدمات اور جامعیت کی بناء پر اکابر علماء دیوبند کی صف میں نہایت ممتاز مقام رکھتے ہیں۔ ان کی سی جامعیت منتخب افراد ہی کو عطاء ہوتی ہے۔ حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ کی علمی جانشینی تو قدرت کی تقسیم کے مطابق دیگر حضرات کی طرف منتقل ہوئی؛ لیکن تزکیہ واحسان اور سلوک کے میدان میں یقیناً حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب رحمہ اللہ اُن کے معتبر جانشین قرار پائے اور

اُن کو فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی نور اللہ مرقدہ سمیت، حضرت شیخ کے تمام اکابر خلفاء کا اعتماد حاصل رہا، جس کی وجہ سے علماء اور عوام کی ایک بڑی تعداد اُن سے وابستہ ہوئی اور متعدد ممتاز علماء کرام اُن کے دست گرفتہ ہوکر اجازت یافتہ ہوئے۔

حضرت مولانا نور اللہ مرقدہ نہایت سادہ اور صاف گو انسان تھے اور اس سادگی اور صاف گوئی کی وجہ سے بہت سے لوگوں پر اُن کی دانائی پوشیدہ رہ جاتی تھی؛ لیکن درحقیقت وہ نہایت باہوش، دانا اور باخبر انسان تھے اور دینی وملی معاملات میں صاحب رائے تھے؛ البتہ اس کا اظہار سادگی کے پیرائے میں ہوتا تھا۔ حضرت مولاناؒ کی چند ممتاز صفات جو ہم جیسے کوتاہ بینوں کو بھی واضح طور پر محسوس ہوجاتی تھیں، کچھ اس طرح ہیں:

(۱) ان کی سب سے نمایاں صفت یا کمال تو یہی تھا کہ انھوں نے اپنے والد گرامیؒ کی اس تربیت گاہ کی رونق کو باقی رکھا جو مرجع خواص وعوام تھی، اسی انداز پر مجلس ذکر اور اصلاحی محنت جاری رکھی جس سے ہزاروں بندگانِ خدا نے فائدہ اٹھایا، صبح سے شام ہوجاتی تھی اور وہاں ملک وبیرون ملک سے اہل محبت یا طالبین اصلاح کی آمد ورفت کا سلسلہ جاری رہتا تھا، حضرتؒ کی جانب سے تلقین ذکر اور تفقد احوال ہوتا رہتا اور ہر طرح سے رہنمائی کی جاتی، اسی انداز پر اعتکاف بھی کرتے رہے اور اس میں کثرت رجوع کے مناظر دیکھنے میں آتے رہے۔ یہاں تک کہ بہت سے مشاہیر علماء نے بھی اُن سے وابستہ ہوکر نسبت کی برکات حاصل کیں۔

(۲) ان کی ذاتی صفات میں سب سے نمایاں اُن کا شوق مہمان نوازی تھا، اُن کے یہاں یوں بھی کثرت سے مہمانوں کی آمد ورفت رہتی تھی؛ لیکن اُن کے ذوق ضیافت کی تسکین کے لیے شاید وہ بھی کافی نہیں تھی، اسی لیے وہ دوسرے حضرات کے مہمانوں کو بھی اپنے یہاں کھانے پر بلا لیتے تھے۔ ایسے متعدد واقعات ہمارے علم میں ہیں کہ آدمی سہارنپور کسی اور بزرگ سے ملاقات کے لیے پہنچا؛ لیکن اتفاق سے ملاقات حضرت مولانا محمد طلحہ صاحبؒ سے ہوگئی تو فوراً اپنے ساتھ کھانے کا حکم دے دیا۔ ایک بار ہم چند اساتذۂ دارالعلوم دیوبند، کسی اجلاس کا دعوت نامہ لے کر بعد عصر حاضر ہوئے تو اولاً اُسی وقت پرتکلف ناشتہ کرایا، پھر تاکیدی حکم فرمایا کہ مغرب کے بعد کھانا کھا کر جانا ہے۔

(۳) اُن کی ایک نمایاں صفت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا اہتمام تھا، خاص طور سے داڑھی کے سلسلے میں تو کہا جاسکتا ہے کہ وہ صاحب حال تھے۔ اُن کے یہاں بغیر داڑھی والے شخص کو کم از کم ڈانٹ کا سامنا تو کرنا ہی پڑتا تھا، بسا اوقات مار بھی کھانی پڑجاتی تھی اور اس عمل میں اُن کو کسی ملامت یا نقصان کی پروا نہیں ہوتی تھی، نہ وہ کسی سے مرعوب ہوتے تھے، ہر ایک کو بلا جھجک نصیحت فرماتے یا ڈانٹ پلا دیتے تھے۔

(۴) حضرت مولاناؒ کے فکر واہتمام کا ایک موضوع مکاتب کا قیام تھا جس کے بارے میں گفتگو کا کوئی موقع وہ ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے۔ خواہ نجی ملاقات ہو، مجلس ہو یا جلسۂ عام ہو ہر جگہ مکاتب کے قیام کی ترغیب کے لیے وہ مستعد رہتے تھے؛ چنانچہ بڑی تعداد میں ان کی زیر سرپرستی مکاتب چلتے تھے۔

(۵) ایک خاص بات جو اُن کی ہر ملاقات میں آنے والوں کے سامنے آتی تھی وہ تمام دینی کاموں کا آپسی تعاون کے ساتھ چلنا اور اخلاص کے ساتھ چلانا تھا، وہ نہایت اہمیت کے ساتھ اس بات پر توجہ دلاتے تھے کہ مدارس، خانقاہیں اور دعوت وتبلیغ کا کام یہ سب دینی کاموں کے راستے ہیں ان کو ایک دوسرے کا رفیق ومعاون ہونا چاہیے۔ اس موضوع پر وہ تقریباً ہر مجلس میں گفتگو فرماتے تھے اور اپنی حدتک ان کاموں کے ذمہ داران کے درمیان ربط واتحاد پیدا کرنے کے لیے کوشاں رہتے تھے۔

(۶) اُن کی ایک نمایاں صفت اُن کی دعاء تھی، کسی بھی مجلس کے اختتام پر اگر وہ موجود ہیں تو دعاء کی درخواست انہی سے کی جاتی اور وہ بڑے والہانہ انداز اور سادہ لہجہ میں خوب دعاء کراتے دعاء میں اُن کی کیفیت الگ ہوتی تھی، بسا اوقات وہ دعاء کرتے کرتے نصیحت شروع کردیتے، پھر دعاء کی طرف لوٹ جاتے۔

انھوں نے ذریعۂ معاش کے طور پر اپنے والدگرامی کے تجارتی کتب خانہ (مکتبہ یحییٰ) کو جاری رکھا اور اس سے متعدد کتابیں شائع کیں۔ اسی طرح انھوں نے مختلف موضوعات پر لکھنے کے لیے بعض علماء کو توجہ دلائی جس کے نتیجہ میں بہت سی مفید کتابیں وجود میں آئیں۔

جامعہ مظاہر علوم کے بحرانی دور میں ان کی ذات سے مدرسہ کو تقویت حاصل ہوئی اور انھوں نے ضابطہ کا ایک منصب (امین عام) بھی قبول کیا، جسے بعد میں اپنی افتادطبع کے مطابق چھوڑ دیا؛ لیکن مدرسہ کی سرپرستی مسلسل جاری رکھی، اب کچھ عرصہ سے وہ دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن بھی تھے اور صحت کے زمانے میں پابندی سے اجلاس شوریٰ میں تشریف لاتے تھے۔

ان کی صحت چند سالوں سے متاثر تھی؛ لیکن ایک ڈیڑھ سال قبل اپنی اہلیہ مرحومہ کی وفات کے بعد سے صحت کی صورت حال زیادہ دگرگوں رہی، اِدھر رمضان کے عشرۂ اخیرہ میں ان کے خسر محترم شیخ طریقت حضرت مولانا افتخارالحسن کاندھلویؒ رہ گزار آخرت ہوئے اور اب عین عیدالاضحیٰ کے دن حضرت مولاناؒ نے بھی جان، جاں آفریں کو سپرد کردی۔ اسی دن ایک جم غفیر نے استاذ گرامی مرتبت حضرت مولانا سیدارشد مدنی صاحب دامت برکاتہم کی اقتداء میں نماز جنازہ ادا کی اور سہارنپور کے مشہور قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔

اللہ رب العزت مغفرت فرمائے اور درجات عالیہ سے نوازے، آمین!

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد میں انسانی حقوق کا تحفظ

(مدت حکومت: ۱۱ھ تا ۱۳ھ-۶۳۲ء تا ۶۳۴ء)

از: ڈاکٹر ظفر دارک قاسمی
پوسٹ ڈاکٹریٹ فیلو شعبہ دینیات، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

خلافت راشدہ ان خطوط پر قائم تھی جن کی طرف نبی کریم ﷺ نے رہنمائی وہدایت کی تھی اسی وجہ سے حقوق انسانی کی حفاظت، رعایا کے ساتھ نیک برتاؤ خلفاء راشدین کا شیوہ تھا۔ انھوں نے اپنی دور حکمرانی میں شورائی طرز کو رواج دیا نیز اسلام کے امن، سلامتی اور عدل کے پیغام کو عام کرنے کی حتی الوسع کوشش کی۔

نام ونسب

عہد جاہلیت میں آپ کا نام عبدالکعبہ تھا، اسلام قبول کرنے کے بعد آپ کا نام عبداللہ تجویز فرمایا، ابوبکر کنیت، اور عتیق لقب تھا، والد کا نام عثمان اور کنیت ابوقحافہ، والدہ کا نام سلمی، ام الخیر کنیت تھی، آپ کا پورا سلسلہ نسب یہ ہے: عبداللہ بن عثمان، بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لوی القرشی التیمی (۱)

ماخذ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر اسلام سے قبل ایک متمول تاجر کی حیثیت رکھتے تھے ان کی دیانت، راست بازی کا شہرہ تھا، اہل مکہ ان کو حسن اخلاق کی بنا پر نہایت معزز محترم سمجھتے تھے، حتی کہ دور جاہلیت میں خون بہا کا مال آپ ہی کے یہاں جمع ہوتا تھا۔ اگر کسی دوسرے شخص کے یہاں جمع ہوجاتا تو قریش اس کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔(۲) ماخذ یہ بھی بتاتے ہیں آپ کو بچپن ہی سے محمد ﷺ سے لگاؤ تھا۔ اسی وجہ سے آپ کے حلقہ احباب میں شامل تھے۔ اکثر تجارتی سفر میں محمد ﷺ کے ہمراہ جانے کا شرف آپؓ کو حاصل ہوا۔(۳) ابوقحافہ فتح مکہ تک نہایت مضبوطی کے ساتھ اپنے آبائی مذہب پر قائم رہے۔ فتح مکہ کے بعد جب رسول اللہ ﷺ مسجد حرام میں تشریف فرما تھے تو اپنے فرزند حضرت ابوبکرؓ کے ہمراہ دربار رسالت میں حاضر خدمت ہوئے۔ حضور ﷺ نے ان کے ضعف کی بنا

پر فرمایا کہ انھیں کیوں تکلیف دی میں خود ہی ان کے پاس پہنچ جاتا۔ اس کے بعد آپؐ نے شفقت ومحبت کے ساتھ ان کے سینہ پر ہاتھ پھیرا اور حلقۂ اسلام میں داخل فرمایا۔(۴) آپ کی والدہ حضرت ام الخیر سلمٰی بنت صخر کو ابتدا ہی میں اسلام میں داخل ہونے کا شرف حاصل ہوا۔(۵)

غیر مسلموں کے حقوق اور ان سے مشفقانہ برتاؤ

حضرت ابوبکرؓ دو سال تین ماہ دس دن مسند خلافت پر متمکن رہے یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ آپؓ نے اپنے دور حکمرانی میں تمام شہریوں سے انتہائی عادلانہ برتاؤ کیا۔ ان کے تمام حقوق کی حفاظت کی آپؓ کے زمانہ میں جس قدر شورشیں برپا ہوئیں آپ نے انھیں اپنی سیاسی حکمت عملی سے فرو کیا اور اسلامی حکومت کا دائرہ کافی حد تک وسیع کیا۔ آپ کو کئی طرح کے فتنوں سے نبرد آزما ہونا پڑا وہ داخلی فتنے تھے اور خارجی فتنے بھی تھے۔ الغرض آپ دنیائے انسانیت کے لیے ایک مثالی حکمراں کی حیثیت سے یاد کیے جاتے ہیں۔ ماخذ میں لکھا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ جب خلیفہ منتخب ہوگئے آپ نے منبر پر بیٹھ کر جو خطبہ ارشاد فرمایا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ رعایا کا کس قدر خیال رکھتے تھے:

یاایھا الناس فانی قد ولیت علیکم ولست بخیرکم فان احسنت فاعیونی وان اسات فقومونی الصدق امانة والکذب خیانة والضعیف فیکم قوی عندی حتی اریح علیه حقه انشاء اللّٰه والقوی فیکم ضعیف عندی حتی اخذ الحق منه ان شاء اللّٰه لایدع قوم الجهاد فی سبیل اللّٰه الاضر بهم اللّٰه بالذل ولا تشیع الفاحشة فی قوم قط والا عمهم اللّٰه بالبلاء واطیعونی ما أطعت اللّٰه ورسوله فاذا عصیت اللّٰه ورسوله فلا طاعة لی علیکم قومو الی صلاتکم یرحمکم اللّٰه(۶)

''اے لوگو تم پر والی مقرر کیا گیا ہوں؛ حالاں کہ میں تم لوگوں میں سب سے بہتر نہیں ہوں اگر میں اچھا کام کروں تو تم میری اعانت کرو اگر برائی کی طرف جاؤں تو سیدھا کردو، صدق امانت ہے اور کذب خیانت ہے۔ تمہارا ضعیف فرد میرے نزدیک قوی ہے؛ یہاں تک کہ میں اس کا حق واپس دلادوں انشاء اللہ۔ جو قوم جہاد فی سبیل اللہ چھوڑ دیتی ہے اس کو خدا ذلیل وخوار کردیتا ہے اور جس قوم میں بدکاری عام ہوجاتی ہے خدا اس کی مصیبت کو بھی عام کردیتا ہے، خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کروں تو میری اطاعت کرو؛ لیکن جب خدا اور اس کے رسول کی نافرمانی کروں تو تم پر اطاعت واجب نہیں، اچھا! اب نماز کے لیے کھڑے ہوجاؤ خدا تم پر رحم کرے''۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ نے زمام اقتدار سنبھالنے کے بعد رعایا کے حقوق اور ان میں عدل ومساوات کے فروغ کو کس حد تک قائم رکھا اور رعایا کو احساس دلایا کہ میری اطاعت معروف میں کرنا اور جو فعل میں خلاف شرع کروں، اس میں میری اطاعت کرنے کا کوئی حق نہیں ہے؛ چنانچہ اس تقریر سے اس عزم کا اظہار ہوتا ہے کہ میری پالیسی غیر مسلموں کے حقوق کی بھی ضامن ہے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی ہدایات ہمیں فتوحات میں ملتی ہیں جو آپ نے لشکر اسلام کے سپہ سالاروں کو تحریری یا زبانی طور پر دیں وہ غیر مسلموں کے حقوق کے تحفظ اور ان کے عزت وآبرو نیز جان ومال کی ضامن ہیں جب آپ نے ملک شام کی فتوحات کے لیے فوج بھیجی تو سپہ سالاروں کو جو ہدایات ارشاد فرمائیں وہ انتہائی اہم ترین ہیں آپ نے فرمایا:

اوصیکم بتقوی اللّٰہ اغزو فی سبیل اللّٰہ فقاتلوا من کفر باللّٰہ فان اللّٰہ ناصر دینه ولاتغلوا ولاتغدروا ولا تجبنوا ولا تفسدوا فی الارض ولا نعصوا ماتومرون ولاتحرقن نخلاً ولاتغرقنها ولاتعقروا بهیمة ولاشجرة مثمرا ولاتهدموا بیعه ولاتقتلوا الولدان والشیوخ ولا نساء و ستجدون اقواماً جلسوا انفسهم فی الصوامع فرعوهم و ستجدون آخرین اتخذ الشیطان فی رؤوسهم افحاحاً فاذا وجدتم اولئك فاضربوا اعناقهم(۷)

''میں تمہیں اللہ سے ڈرتے رہنے کی وصیت کرتا ہوں اللہ کے راستے میں جہاد کرو جن لوگوں نے خدا کو ماننے سے انکار کردیا ہے ان سے جنگ کرو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے دین کی نصرت فرمائے گا۔ غلول (مال غنیمت میں چوری) نہ کرنا، غداری نہ کرنا، بزدلی نہ دکھانا زمین میں فساد نہ مچانا اور دیئے ہوئے احکامات کی خلاف ورزی نہ کرنا، کھجور کے درخت نہ کاٹنا اور نہ جلانا، چوپایوں کو ہلاک نہ کرنا اور نہ پھلدار درخت کو کاٹنا، غیر مسلموں کی کسی عبادت گاہ کو مت گرانا اور نہ ہی بچوں اور بوڑھوں اور عورتوں کو قتل کرنا تمہیں بہت سے ایسے لوگ ملیں گے جنھوں نے گرجا گھروں میں اپنے آپ کو محبوس کررکھا ہے اور دنیا سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے، انھیں ان کے حال پر چھوڑ دینا ان کے علاوہ تمہیں کچھ دوسرے لوگ ملیں گے کہ جن پر (تباہی وبربادی سے بھرپور) شیطنت سوار ہے اور وہ شیطانی سوچ کے حامل ہیں جب تمہیں ایسے لوگ ملیں تو ان کی گردنیں اڑادو''۔

یہ ہدایات حضرت ابوبکرؓ کی عمومی ہیں جن کا تعلق ریاست کے تمام شہریوں (بشمول غیر مسلم رعایا) سے ہے اور ان ہدایات سے واضح ہوتا ہے کہ عہد صدیقی میں غیر مسلموں کے حقوق ان کی جان

ومال، عزت وآبرو، عبادت خانے اور ان کے مذہبی پیشواؤں، وغیرہ کی حفاظت کی گارنٹی تحریری دستاویز کی شکل میں عطا کی گئی تھیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ اسلامی لشکر کے تمام سپہ سالار ان ہدایات پر ہمیشہ عمل پیرا رہے۔

عہد صدیقی کے صلح نامے

اگر ہم عہد صدیقی پر نظر ڈالتے ہیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کے زمانہ میں مختلف اقوام سے معاہدہ کیے گئے جن میں غیر مسلموں کو تمام مراعات سے نوازہ گیا اور ان کے تحفظ کو یقینی بنایا گیا اور باقاعدہ دستاویزی شکل میں انھیں جملہ مراعات وحقوق عطا کیے گئے۔

اہل مجاعہ سے معاہدہ

یہ وہ معاہدہ ہے جس پر خالد بن ولید نے مجامعہ بن مرارہ سلمہ بن عمیر اور دیگر فلاں فلاں اشخاص سے صلح کی ہے۔ اس قبیلہ کے تمام افراد کو کچھ شرطوں کے ساتھ امان اور آزادی کی گارنٹی دی گئی (۸)

نجران کے عیسائیوں سے معاہدہ

جب اہل نجران کو رسول اللہ ﷺ کی وفات کی اطلاع ملی جن میں اس وقت بنی الافعی کے جو بنی الحارث سے قبل وہاں متوطن تھے جن کی تعداد چالیس ہزار تھی انھوں نے تجدید معاہدہ کے لیے ایک وفد ابوبکر کے پاس بھیجا یہ وفد ابوبکر کے پاس آیا انھوں نے حسب ذیل فرمان ان کو لکھ کر دیا واضح رہے کہ عہد رسالت میں نجران کے عیسائیوں سے جو معاہدہ ہوا تھا اس کی تجدید کے لیے یہ وفد آیا تھا۔ آپ نے بلاچون وچرا اس معاہدہ کی تجدید کر کے یہ ثابت کر دیا کہ آپ غیر مذاہب کے ماننے والوں کا خاصا احترام کرتے تھے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم: یہ فرمان عبداللہ ابی بکر خلیفۃ الرسول کی طرف اہل نجران کے لیے لکھا جاتا ہے میں نے ان کو اپنی اور اپنی فوج کی طرف سے پناہ دی اور جو فرمان رسول اللہ ﷺ نے ان سے کیا تھا میں بھی اسے تسلیم کرتا ہوں اور اس کی توثیق کرتا ہوں۔ ان کی جان، مذہب، املاک، حاشیہ متعلقین چاہے وہ اس وقت نجران میں ہوں یا باہر، ان کے پادری، راہب اور گرجا جہاں وہ بنے ہوئے ہیں اور تھوڑی یا زیادہ جس قدر ان کے املاک ہیں ان سب کو ان کے حق میں رہنے دیتے ہیں۔ بشرطیکہ جو سرکاری لگان مقرر ہے وہ ادا ہوتا رہے اور جب وہ اپنے واجبات پورے کریں تو پھر ان کو نہ جلاوطن کیا جائے نہ ان سے عشر لیا جائے نہ کسی پادری کو اس کے حلقے سے بدلا جائے اور نہ کسی راہب کو اس کی خانقاہ سے نکالا جائے جو کچھ اس تحریر میں لکھا گیا ہے اس کے ایفا کے لیے محمد ﷺ کی ضمانت

اور تمام مسلمانوں کی ضمانت دی جاتی ہے اس کے ساتھ اہل نجران کے لیے بھی ضروری ہے کہ وہ مسلمانوں کے خیرخواہ اور وفادار ہیں۔(۹)

ابن صلوبا سے معاہدہ

۱۲ھ میں جب حضرت ابوبکرؓ نے خالد بن الولیدؓ کو عراق کی فتح کے لیے روانہ کیا تو۔ وہاں پہنچ کر سوار کی بستیوں بانقیا بار وسما اور ایس میں اترے یہاں کے باشندوں نے حضرت خالد سے معاہدہ صلح کرلیا۔ آپ سے یہ مصالحت ابن صلوبا نے کی تھی ماخذ بیان کرتے ہیں کہ حضرت خالد نے ان لوگوں سے جزیہ لینا قبول کیا اور حسب ذیل تحریر ان کو لکھ کر دی۔(۱۰)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یہ وثیقہ خالد بن ولید کی طرف سے ابن صلوبا سوار، باشندوں ساحل فرات کے حق میں لکھا جاتا ہے چونکہ تم نے جزیہ دینا منظور کرلیا ہے اس لیے تم کو خدا کی امان ہے۔ تم نے جزیہ کی یہ رقم ایک ہزار درہم اپنی طرف سے اور اپنے خراج دہندوں، جزیرے اور بانقیا بار وسما کے باشندوں کی طرف سے ادا کی ہے میں اس کو قبول کرتا ہوں۔ میرے ساتھ کے تمام مسلمان اس معاہدے پر خوش ہیں آج سے تم کو اللہ، اللہ کے رسول اور مسلمانوں کی حفاظت میں لیا جاتا ہے۔(۱۱)

قبیصہ بن ایاس سے مصالحت

حضرت خالدؓ جب اپنی فوج کو لے کر حیرہ پہنچے وہاں کے شرفاء قبیلہ قبیصہ بن ایاس کی سرکردگی میں آپ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہم اپنے مذہب پر قائم رہتے ہوئے جزیہ دینا قبول کرتے ہیں؛ چنانچہ حضرت خالد بن ولید نے ان سے نوے ہزار درہم پر مصالحت کردی(۱۲)

اہل حیرہ سے معاہدہ

حضرت خالد بن ولید نے ۱۲ھ میں اہل حیرہ سے معاہدہ کیا جس کی شرائط حسب ذیل ہیں:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

هذا ما عاهد عليه خالد بن الوليد عديا وعمراً بنى عدى، وعمرو بن عبدالمسيح، واياص بن قبيصه، وحيرى بن اكال (و قال عبيد اللّٰه جبرى، وهم نقباء اهل الحيرة) ورضى بذلك اهل الحيرة وامروهم به عاهدهم على نستعين ومائة الف درهم تقبل فى كل سنة جزاء عن ايديهم فى الدنيا رهبانهم وقسسيسهم الا من كان منهم على غيرى ذى يد جيسا عن الدنيا تاركا لها الا من كان غير ذى يد حبيساً عن الدنيا تاركاً لدنيا وعلى المنعة فان لم يمنعم فلا شى عليهم حتى يمنعهم وان غدروا بفعل او بقول فالذمة منهم برئية (۱۳)

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ معاہدہ خالد بن ولید نے عدی کے دونوں بیٹوں عمر اور عمرو بن عبدالمسیح سے اور اباس بن قبیصہ سے اور حیری بن اکالی سے کیا ہے یہ لوگ اہل حیرہ کے نقیب ہیں انھوں نے ان لوگوں کو اس معاہدے کی تکمیل کے لیے مجاز گردانا ہے اور وہ اس معاہدہ پر رضامند ہیں۔ معاہدہ اس امر پر ہے کہ اہل حیرہ اور ان کے پادریوں اور راہبوں سے سالانہ ایک لاکھ نوے ہزار درہم جزیہ وصول کیا جائے گا مگر غیر مستطیع اور تارک الدنیا راہب اس سے مستثنیٰ ہوں گے اس کے معاوضے میں ہم ان کے جان و مال کی حفاظت کریں گے اور جب تک ہم حفاظت نہ کریں جزیہ نہ لیا جائے گا۔ اگر ان لوگوں نے اپنے کسی قول یا فعل سے اس کی خلاف ورزی کی تو یہ معاہدہ فسخ ہوجائے گا اور ہم ان کی حفاظت کی ذمہ داری سے بری ہوجائیں گے''۔

صلوبا بن نسطونا سے معاہدہ

ماخذ بیان کرتے ہیں کہ جب اہل حیرہ کی حضرت خالد بن ولید سے مصالحت ہوگئی اس وقت صلوبا بن نسطونا جو دیر ناطف کے پادری کا منیب تھا حضرت خالد بن ولید کے پاس ان کے لشکر میں حاضر ہوا اور آپ بانقیا اور باسما کے قصبات سے متعلق مصالحت کرلی، اور وہ ان دونوں قصبوں اور ان کی ان تمام امراض کے لگان کا ذمہ دار ہوگیا جو دریائے فرات کے کنارے پر واقع تھیں؛ اس لیے اپنی ذات اپنے خاندان اور اپنی قوم کی طرف سے دس ہزار دینار دینے کا وعدہ کیا اور کسریٰ کے موتی اس رقم کے علاوہ تھے۔ یہ جزیہ فی کس چار درہم کے حساب سے عائد کیا گیا تھا اس معاہدے کی باضابطہ تحریر لکھی گئی اور اس پر طرفین کے دستخط ہوئے اور یہ جتادیا گیا کہ اگر اہل فارس نے بغاوت کی تو اس کے بعد یہ معاہدہ کالعدم ہوجائے گا۔ معاہدہ کی تحریر حسب ذیل ہے۔(۱۴)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

هذا كتاب من خالد بن الوليد صلوبا بن نسطونا وقومه انى عاهدتكم على الجزية والمنعة على كل ذى يدببا نقيا وبسما جميعاً على عشرة آلاف وسوى الحرزة القوى على قوته والمقل على قدرا فلا له فى كل سنة وانك قد نقبت على قومك وان قومك قد رضوا بك وقد قبلت ومن معى من المسلمين ورضيت ورضى قومك، ملك الذمة والمنعة فان منعناكم فلنا الجزية الا فلا حتى نمنعكم شهد هشام بن الوليد، والقعقاع بن عمرو، وجريد بن عبد اللّٰه حميرى، وحنظلة بن الربيع (۱۵)

''یہ معاہدہ خالد بن ولید کی طرف سے صلوبا بن نسطونا اور اس کی قوم کے لیے لکھا جاتا ہے میں تم سے جزیہ قبول کرتا ہوں اور اس کے معاوضے میں تمہاری دونوں بستیوں بانقیا اور باسما کی حفاظت کا ذمہ لیتا ہوں، اس جزیہ کی رقم دس ہزار دینار ہے موتی اس کے علاوہ ہیں یہ رقم ہر مستطیع سے اس کی حیثیت کے مطابق سالانہ وصول کی جائے گی اور تم کو اپنی قوم کا نقیب مقرر کیا جاتا ہے جس کو تمہاری قوم قبول کرتی ہے میں اور میرے ساتھ کے سب مسلمان اس معاہدے پر رضا مند ہیں اور اس کو قبول کرتے ہیں اسی طرح تمہاری قوم بھی رضا مند ہے آج سے تم ہماری ذمہ داری اور حفاظت میں داخل ہو، ہم تمہاری حفاظت کریں گے تو جزیے کے حقدار ہوں گے ورنہ نہیں اس معاہدہ پر ہشام بن ولید قعقاع بن عمر، جریر بن عبداللہ، حمیری حنظلہ بن ربیع نے گواہی کے دستخط کیے''۔

زاد بن یہیش اور صلوبا بن نسطونا سے معاہدہ

ماخذ میں لکھا ہے کہ حیرہ کے اطراف کے زمیندار اس انتظار میں تھے کہ اہل حیرہ خالد کے ساتھ کیا معاملہ کرتے ہیں۔ جب اہل حیرہ اور خالد کے مابین معاہدات طے پا گئے تو ملطاطین کے زمیندار بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ان میں ایک تو زاد بن یہیش سریا کی ندی کا زمین دار تھا اور دوسرا صلوبا بن نسطونا بن بصیری کا تھا ایک روایت کے مطابق وہ صلوبا بن بصیری تھا اور نسطونا تیسرا زمین دار تھا؛ چنانچہ ان لوگوں نے خالد سے غلاسیج لے کر ہرمز جرو تک کے علاقے کے لیے مصالحت کی۔ ماخذ کے مطابق یہ معاہدہ ماہ صفر ۱۲ھ میں تحریر کیا گیا تھا معاہدہ کی تحریر درج ذیل ہے:

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

هذا كتاب من خالد بن الوليد لزاد بن يهيش وصلوبا بن نسطونا لكم الذمة وعليكم الجزية، وانتم ضامنون لمن نقبتهم عليه من اهل البهقياذ الاسفل والاوسط وقال عبيد اللّٰه وتم ضامنون جزية من نقيم عليه على الفى الف تقبل فى كل سنة عن كل ذى يد سوى ما على بانقيا وبسما وانكم قد ارضيتمونى والمسلمين وانا قد ارضناكم اهل البهقياذ الاسفل ومن دخل معكم من اهل البهقياذ الاوسط على اموالكم ليس فيها ما كان لال كسرى ومن مال عليهم(۱۶)

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ تحریر خالد بن ولید کی طرف سے زاد بن یہیش اور صلوبا بن نسطونا کے لیے لکھی جاتی ہے۔ ہم تمہاری جان و مال کی حفاظت کے ذمہ دار ہیں اور تم پر

جزیہ عائد کیا جاتا ہے۔تم بقیاد الاسفل اور اوسط کے باشندوں کے نقیب اور ان کے ضامن ہو، اور عبیداللہ کی روایت میں ہے کہ تم ان لوگوں کی جنگ کے جن کے تم نقیب قرار دیئے گئے ہو ذمہ دار ہو، اس جزیہ کی مقدار بیس لاکھ ہے جو تم میں کے صاحب قدرت لوگوں سے سالانہ وصول کیا جائے گا مگر بانقیا اور باسما کا محاصل اس رقم سے الگ ہے میں نے، مسلمانوں نے، تم نے، نیز بہقیا داسفل اور بہقیا داوسط کے باشندوں نے ان شرائط کو تسلیم کیا ہے مگر آل کسری اور جو لوگ ان کے ساتھ چلے گئے ہیں ان کی املاک کا اس معاہدہ سے کوئی تعلق نہیں ہے''۔

اہل عانات سے معاہدہ

ماخذ بتاتے ہیں کہ حضرت خالد بن ولیدؓ دمشق اور شام کی سرحدوں سے عراق اور ایران کی طرف لوٹے تو راستے میں باشندگان عانات کے ساتھ یہ معاہدہ کیا:

علی ان لا یھدم لھم بیعة ولا کنیسة وعلی ان یفربوا نواقیسھم فی ای ساعة شاء وا من لیل او نھار الا فی اوقات الصلوٰة وعلی ان یخرجوا الصلبان فی ایام عیدھم واشترط علیھم ان یضیفوا المسلمین ثلاثة ایام ویبذرقوھم(۱۷)

''ان کی گرجے اور خانقاہیں منہدم نہیں کی جائیں گی وہ ہماری نماز پنجگانہ کے سوا ہر وقت اپنا ناقوس بجاسکتے ہیں ان پر کوئی پابندی نہیں وہ اپنی عید پر صلیب نکال سکتے ہیں مسلمان مسافر کی تین دن ضیافت کریں اور وقت پڑنے پر مسلمانوں کی جان و مال کی نگہداشت کریں''۔

ان معاہدات سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کے دور خلافت میں غیر مسلموں کو ہر طرح کی مراعات سے نوازہ گیا اس کے علاوہ اور بھی معاہدات تاریخ میں مذکور ہیں جو اس بات پر بین ثبوت ہیں کہ اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کے ساتھ یکساں سلوک کیا جاتا تھا۔حضرت خالد بن ولیدؓ نے جن علاقوں کو فتح کیا وہاں کے غیر مسلم باشندوں سے متذکرہ بالا معاہدے کیے ان میں وضاحت سے یہ درج ہے کہ جزیہ کے معاملہ میں ان کے مال و جان کی حفاظت ہوتی رہے گی اور جب ان کی حفاظت نہ ہوسکے گی تو ان سے جزیہ نہ لیا جائے گا۔

حقوق انسانی کی حفاظت

اہل حیرہ سے جو معاہدہ ہوا تھا جس کا تذکرہ راقم نے گزشتہ اوراق میں کیا ہے وہ راقم نے طبری

کے حوالہ سے بیان کیا ہے؛ مگر امام یوسف نے اس معاہدہ کو مزید تفصیل سے لکھا ہے۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ عہد صدیقی میں غیر مسلموں کے حقوق کی پوری طرح حفاظت کی گئی۔ ان کی خانقاہیں اور گرجے منہدم نہ کیے جائیں گے ان کا وہ قصر نہ گرایا جائے گا جس میں وہ ضرورت کے وقت دشمنوں کے مقابلے میں قلعہ بند ہوتے ہیں ان کو ناقوس اور گھنٹے بجانے کی ممانعت نہ ہوگی۔ تہوار کے موقع پر صلیب نکالنے سے روکے نہ جائیں گے، کوئی بوڑھا آدمی جو کام سے معذور ہوجائے یا کوئی سخت مرض میں مبتلا ہوکر مجبور ہوجائے یا جو پہلے مالدار ہو پھر ایسا غریب ہوجائے کہ خیرات کھانے لگے تو ایسے لوگوں سے جزیہ نہیں لیا جائے گا اور جب تک وہ زندہ رہیں ان کے اہل وعیال کے مصارف مسلمانوں کے بیت المال سے پورے کیے جائیں؛ البتہ وہ کسی دوسرے ملک میں چلے جائیں تو ان کے اہل وعیال کی کفالت مسلمانوں کے ذمہ نہ ہوگی۔ اس معاہدہ میں اس کا ذکر بھی تھا کہ یہاں کے ذمیوں کو فوجی لباس پہننے کے علاوہ ہر طرح کی پوشاک پہننے کی اجازت ہوگی۔ بشرطیکہ وہ مسلمانوں سے مشابہت پیدا کرنے کی کوشش نہ کریں اس کی یہ وجہ ہوسکتی ہے کہ مسلمان اور ذمیوں میں فرق باقی رکھ کر ان کی یعنی ذمیوں کی پوری حفاظت کی جائے۔ معاہدہ اس کا بھی تھا کہ وہ مسلمانوں سے دشمنی کا اظہار نہ کریں اور مسلمانوں کے دشمنوں کو مسلمانوں کی ان کمزوریوں سے آگاہ نہ کریں۔(۱۸)

مدعیان نبوت کے ساتھ برتاؤ

حضرت ابوبکرؓ کے دور خلافت میں مدعیان نبوت کا فتنہ برپا ہوا انھیں میں سے ایک اشعث بن قیس تھا اس نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا تھا جب وہ گرفتار کرکے حضرت ابوبکرؓ کے سامنے حاضر کیا گیا تو اس نے توبہ کی؛ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے نہ صرف ان کو معاف کردیا؛ بلکہ اپنی ہمشیرہ ام فردہ سے ان کا نکاح بھی کرایا۔(۱۹) طلیحہ نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا؛ لیکن جب حضرت ابوبکرؓ کے پاس معذرت لکھ بھیجی تو ان کا دل آئینہ کی طرح صاف ہوگیا اور ان کو مدینہ واپس آنے کی اجازت دے دی۔(۲۰)

تحفظ ناموس

جب حضرت مہاجر بن امیہ کو یمامہ کا امیر مقرر کیا تو ان کی امارت کے زمانہ میں دوگانے والی عورتوں میں سے ایک نے رسول اللہ ﷺ کی ہجو میں گانا گایا اور دوسری نے گانے میں مسلمان کو بُرا کہا۔ حضرت مہاجر بن امیہ نے سزا میں ان کے ہاتھ کاٹ دیئے اور دانت اکھڑوادیئے، حضرت ابوبکرؓ کو یہ معلوم ہوا تو سخت برہمی کا اظہار کیا ان کو لکھ بھیجا کہ اگر رسول اللہ ﷺ کی ہجو کرنے والی عورت اسلام کی پیرو ہے تو وہ مرتد ہوگئی اس کو ارتداد کی سزا ملنی چاہیے تھی اور اگر وہ ذمیہ تھی تو اس نے

خلاف عہد کیا؛ لیکن جس عورت نے مسلمانوں کو بُرا بھلا کہا اس کو کوئی سزا نہ دینی چاہیے تھی کیوں کہ اگر وہ مسلمان عورت ہے تو اس کو صرف معمولی تنبیہ کرنے کی ضرورت تھی اور اگر وہ ذمیہ ہے تو جب اس کی مشرکہ ہونے کو گوارا کرلیا گیا تو مسلمانوں کو بُرا کہنے کی کیا سزا ہوسکتی ہے۔ بہرکیف یہ تمہاری پہلی خطا تھی اس لیے معاف کردیا جاتا ہے۔ مثلہ کرنا نہایت نفرت انگیز گناہ ہے صرف قصاص کی حالت مجبوراً مباح ہے۔(۲۱)

ماخذ یہ بھی بتاتے ہیں کہ عہد رسالت میں غیر مذاہب کے پیروکو اسلامی ممالک مفتوحہ میں پناہ اوران کے تمام حقوق کا تحفظ فرمایا تھا جس کی تفصیل راقم نے گزشتہ صفحات میں بیان کی ہے؛ چنانچہ عہد صدیقی میں نہ صرف ان حقوق کو قائم رکھا؛ بلکہ دستاویزی شکل میں اس کی توثیق فرمائی۔ اوران کے جو ممالک فتح ہوئے وہاں کی ذمی رعایا کو وہی حقوق دیئے جو مسلمانوں کو حاصل تھے۔

ماخذ یہ بھی بتاتے ہیں کہ عہد صدیقی میں جزیہ یا ٹیکس کی شرح نہایت آسان تھی اور انہی لوگوں پر مقرر کرنے کا حکم تھا۔ جو اس کی ادائیگی کی صلاحیت رکھتے ہوں؛ چنانچہ حیرہ کے سات ہزار باشندوں میں سے ایک ہزار بالکل مستثنیٰ تھے اور باقی پر صرف دس دس درہم سالانہ مقرر کیے گئے تھے معاہدوں میں یہ شرط بھی تھی کہ کوئی ذمی بوڑھا، اپاہج اور مفلس ہوجائے گا تو وہ جزیہ سے بری کردیا جائے گا نیز بیت المال اس کا کفیل ہوگا۔

حوالے وحواشی: عہد صدیق اکبرؓ

(۱) ابن سعد ابوعبداللہ محمد بن سعد، الطبقات الکبری، ج:۲،ص:۱۱۹۔ مطبع دار صادر، بیروت
(۲) کنز العمال، ج:۹،ص:۳۱۳ (۳) ایضاً (۴) اصابہ فی تمیز الصحابہ، ج:۴،ص:۲۲۲
(۵) ماخذ بتاتے ہیں کہ ان سے قبل صرف انتالیس مسلمان ہوئے تھے اس کو اپنے ایمان کا اظہار کھلم کھلا نہیں کیا تھا۔ اور نہ ہی کفار ومشرکین کو اعلانیہ دین کی دعوت دے سکتے تھے۔ الاصابہ،ص:۲۲۲
(۶) ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج۲، تذکرہ خطبہ ابوبکر
(۷) ابن عساکر، تاریخ دمشق، ابواب ماجاء فی النصوص فی فضل دمشق علی الخصوص، باب ذکر اہتمام ابن بکر الصدیق، حدیث نمبر۵۲
(۸) طبری، ج:۳،ص:۲۹۸ (۹) ایضاً،ص:۳۲۱ (۱۰) الوثائق السیاسیۃ،ص:۳۱۸
(۱۱) طبری، ج:۲، تذکرہ فتوحات عراق (۱۲) الوثائق السیاسیۃ،ص:۳۱۶ (۱۳) طبری، ج:۳،ص:۳۶۷
(۱۴) الوثائق السیاسیۃ،ص:۳۱۹ (۱۵) ایضاً،ص:۳۲۴ (۱۶) ایضاً،ص:۳۲۳
(۱۷) ابو یوسف، کتاب الخراج، باب۳، فصل۱۶ (۱۸) یعقوبی، ج۲،ص:۱۴۹ (۱۹) ایضاً،ص:۱۴۵
(۲۰) تاریخ الخفاء،ص:۹۶ (۲۱) سید صباح الدین عبدالرحمٰن، اسلام میں مذہبی رواداری،ص۹۹، بحوالہ تاریخ الخلفاء،ص:۹۶

❁ ❁ ❁

اسلام کا قانون میراث

(۲/۱)

از: مولانا محبوب فروغ احمد قاسمی
خادم حدیث وفقہ جامعہ حسینیہ کایم کلم کیرالا

حصول علم کے مختلف ذرائع ہیں، ہر ایک کے لیے حدود متعین ہیں ان حدود میں رہتے ہوئے ہی علم کا حصول ہوسکتا ہے بشرطیکہ اس کے لیے لازمی شرطیں بھی پوری کی گئی ہوں، اگر دائرہ سے باہر ہوکر کوئی علم حاصل کرنا چاہے تو ناکامی ومحرومی ہوگی۔

بنیادی طور پر حصول علم کے ذرائع تین ہیں: (۱) حواس خمسہ ظاہرہ، یعنی آنکھ، کان ناک، زبان اور پورے جسم میں پھیلی ہوئی بالخصوص ہاتھوں میں پائی جانے والی قوتیں (۲) عقل وخرد (۳) وحی الٰہی، حواس خمسہ کا دائرۂ عمل محسوسات ہے بشرطیکہ مناسب مسافت ومناسب کیفیت کے ساتھ متصف ہوں؛ چنانچہ آنکھ دیکھتی ہے۔ کان گفتگو سنتا ہے۔ ناک خوش بو وبدبو کا ادراک کرتی ہے۔ زبان چکھی جانے والی چیزوں کا ذائقہ بتاتی ہے اور قوت لامسہ مثلاً ہاتھ سے چھوکر اشیاء کی سختی ونرمی، حرارت وبرودت وغیرہ معلوم ہوتی ہیں؛ مگر ایسا نہیں ہوتا کہ آنکھ گفتگو کو سننے لگے، زبان دیکھنے کا کام کرے، ناک ذائقہ بتائے۔ اللہ کی قدرت سے باہر تو نہیں ہے؛ مگر عادۃً اللہ اس طرح جاری نہیں ہے۔ اگر کسی نے کان سے سننے کے بجائے دیکھنے کا دعویٰ کیا تو ہر شخص اس کو تھوتھو کرکے پاگل سمجھے گا؛ کیوں کہ وہ ایسی چیز کا دعویٰ کررہا ہے جو ''دائرہ'' سے باہر ہے؛ مگر اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ کان اگر چکھنے کی صلاحیت نہیں رکھتا تو کان بیکار ہوگیا۔ بیکار تو یہاں اس لیے ہوا ہے کہ اس کو اپنے دائرہ سے نکال دیا گیا، بہرحال حواس خمسہ کا دائرہ ''محسوسات'' میں منحصر ہے۔

عقل وخرد اس سے اوپر کی قوت کا نام ہے، جب حواس خمسہ سے کام نہیں چل پاتا ہے تو عقل وہاں کام کرتی ہے، محسوسات کو چھوکر یہ تو معلوم کیا جاسکتا ہے کہ نرم ہے یا سخت، ٹھنڈا ہے یا گرم؛ مگر اس کا وجود کس طرح اور کیوں کر ہوا یہ حواس خمسہ کے سرکل سے باہر کی چیز ہے، اب عقل رہنمائی کرے گی اسی بنا پر ایجادات کی کثرت ہوئی، نیز روز افزوں انکشافات کا سلسلہ جاری ہے اس لحاظ

سے عقل کی اہمیت ووقعت مسلّم ہے، اس کا انکار ایک ثابت شدہ حقیقت کا انکار ہوگا؛ چوں کہ تمام انسانوں کی عقلیں یکساں نہیں، بعض اوقات کچھ عوارض وموانع بھی آتے ہیں جن کی وجہ سے انسانی عقلوں میں تفاوت آجاتا ہے؛ اس لیے عقلاء کی تحقیقات وافکار میں نمایاں فرق بھی محسوس کیا جاتا ہے؛ لیکن ان سب کے باوجود اس کا دائرۂ عمل لامحدود نہیں ہے؛ بلکہ ایک حد پر پہنچ کر عقلیں بھی سپر ڈال دیتی ہیں، اس وقت کسی اور ہی رہنمائی کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے یہی وہ موقع ہوتا ہے کہ ''وحی الٰہی'' کا سہارا کام کرتا ہے؛ چوں کہ وحی الٰہی کا منبع وسرچشمہ اللہ کی علیم وخبیر ذات ہے؛ اس لیے ایک نقطہ کا بھی حقیقی فرق نہیں ہوتا خواہ بعض اوقات ہماری عقل کی پہنچ وہاں تک نہ ہو، بعد میں عقدہ کھلتا ہے تو انسان حیران رہ جاتا ہے، نیز وحی الٰہی آتی بھی عموماً ایسے ہی موقع پر جہاں عقل وحواس کا دائرہ ختم ہوجاتا ہے، اس سے یہ بات اخذ نہیں کی جاسکتی ہے ''عقل وحواس'' کی عظیم نعمتیں بے کار وبے سود ہیں؛ بلکہ اس کا مطلب صرف اتنا ہے کہ کوئی بھی شئی اپنے دائرہ کار کے باہر کارآمد نہیں ہے، اگر پھر بھی کام لیا جائے تو فائدہ وجانکاری کے بجائے نقصان وحیرانی وپریشانی ہاتھ آئے گی، علامہ ابن خلدون نے ایک مثال سے اس کو سمجھایا ہے، فرماتے ہیں:

عقل کی مثال ایسی ہی ہے جیسے سونا تولنے کا ترازو، اس ترازو سے سونا تو تولا جاسکتا ہے؛ کیوں کہ سونا عام طور پر گرام وچھٹانک کے حساب سے تولا جاتا ہے؛ لیکن اسی ترازو میں پتھر ولوہا کو تولنا چاہیں جو کہ کوئنٹل وٹن کے وزن میں تولا جاتا ہے۔ اسے سونے کے ترازو میں تولنا یقیناً فیل ہوجائے گا؛ لیکن اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہوسکتا کہ سونے کو تولنے والا آلہ بے کار وبے سود ہے۔ (مقدمہ ابن خلدون، ص۴۴۰، بحث علم کلام)

خلاصہ یہ ہوا کہ تین ذرائع علم ہیں اور تینوں کے اپنے اپنے مراتب ودائرۂ کار ہیں، ان سے ان کے حدود میں رکھتے ہوئے علم حاصل کیا جاسکتا ہے، سختی ونرمی، حرارت وبرودت وغیرہ کو جاننا ہو تو حواس کو کام میں لانا پڑے گا۔ کسی چیز کے وجود میں آنے کے کیا مراحل ہوسکتے ہیں اس کو جاننے کے لیے عقل کو استعمال کرنا پڑے گا؛ لیکن انجام اچھا ہے یا برا، وہ خیر کا باعث ہوگا یا شر کا، اس سے نقصانات ہوں گے یا فائدے بالخصوص اخروی زندگی میں اس کے کیا نتائج برآمد ہوں گے ہماری عقلوں کی رسائی وہاں تک ہوجائے کوئی ضروری نہیں ہے۔ اس کے لیے ''وحی الٰہی'' کو تلاش کرنا پڑے گا، نیز یہ بھی ممکن ہے کہ ہماری عقلیں فی الوقت چھپے شر ومخفی خیر تک نہیں پہنچ پارہی ہیں؛ لیکن آئندہ کی نسلیں ایسی ہوں جو اپنی عقلوں سے بھی اچھائی وبُرائی کا ادراک کرلیں؛ اس لیے کہ یہ بھی طے ہے کہ وحی عقلوں کے مناقض نہیں ہے صرف اتنا ہے کہ ہماری عقلیں ابھی نتیجہ تک نہیں پہنچ پارہی

ہیں کیوں کہ ان میں اس قدر صلاحیت نہیں ہے، جیسا کہ کمپیوٹر میں جو لوڈ کر دیا جاتا ہے اسی کی معلومات فراہم کرتا ہے۔ جو لوڈ ہی نہیں اس کا نتیجہ نو فاؤنڈ ونو میچ لکھ کر دے دیتا ہے، جب کبھی اس میں لوڈ کر دیا جاتا ہے تو نتیجہ ہماری تلاش کے مطابق آتا ہے، اسی نکتہ کو نظر انداز کر دینے کی وجہ سے بہت سی مرتبہ اچھے خاصے لکھے پڑھے لوگوں کو دھوکہ لگ جاتا ہے اور احکامِ اسلام میں ان کو کیڑے نظر آنے لگتے ہیں۔ نیز یہ آج کی پیداوار بھی نہیں ہے پرستارانِ عقل ہر زمانہ میں رہے ہیں اور سوچنے وسمجھنے کا یہی وطیرہ رہا جس کی وجہ سے غلطیاں کھاتی ہیں؛ بلکہ بعد کے ادوار میں اس بابت سوچ کر تعجب بھی ہوتا ہے، کہنے والوں نے تو یہاں تک کہا ہے کہ اپنی بہن سے شادی نہ کرنا آخر بے عقلی نہیں تو اور کیا ہے، اپنی خوبصورت بہن کو دوسرے کے حوالہ کرنا اور دوسری کسی خاتون کو اپنے گھر بسانا کہاں کی عقل مندی ودانشمندی ہے (الفرق بین الفرق للبغدادی، ص ۲۹۷)

یہی رائے آتش پرست مجوسیوں کی تھی، ان کے یہاں محارم سے نکاح کرنے میں کوئی عیب نہیں؛ جبکہ دوسری طرف برادرانِ وطن ہندو قوم کا حال یہ ہے کہ رشتہ کی مثلاً چچازاد، ماموزاد، خالہ زاد بہنوں سے نکاح کرنا بڑا عیب اور انتہائی بے شرمی تصور کیا جاتا ہے، ان دونوں نظریوں میں فیصلہ کس بنیاد پر ہوگا، عقل سے فیصلہ کرنا مشکل ہی نہیں ناممکن ہے، اس کا فیصلہ وحی کے ذریعہ ہی ہوسکتا ہے، نبی کے اقوال وافعال نیز نبی کے ماننے والے وصحبت یافتہ کے اقوال، جو کہ حقیقت میں نبی کے ہی ارشادات ہوتے ہیں۔ اس بابت صحیح رہنمائی کر سکتے ہیں، نبی کا ہر فرمایا ہوا، یا کیا ہوا من جانب اللہ وحی کے ذریعہ ہوتا ہے، قرآن نے اس کی تصریح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے: وما ینطق عن الھوی، اِن ھو إلا وحی یوحی وہ اپنی خواہش سے نہیں بولتے ہیں، جو کچھ کہتے ہیں وحی سے کہتے ہیں۔

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

اس کا فرمان حقیقت میں اللہ کا فرمان ہے چاہے اللہ کے بندے کی زبان سے بظاہر ادا ہو رہا ہو۔

دنیاوی امور میں بہت حد تک عقل کارآمد ثابت ہوتی ہے؛ مگر جن امور کا راست تعلق دین اور آخرت سے ہو ان میں عقل سے ہدایت تک پہنچنا کم ممکن ہوتا ہے، دین کے احکام وہ ہیں جو قرآن وسنت میں بحیثیت احکام بیان کیے گئے ہیں، ان میں سے بعض کا تعلق عبادات سے ہے تو بعض کا اخلاق وعادات سے بعض معاشی مسائل سے متعلق ہیں تو بعض آداب زندگی سکھانے سے متعلق، بعض وہ احکام ہیں جن کا تعلق زندگی کے لمحات سے ہے تو کچھ احکام وہ ہیں جو مرنے کے بعد سے متعلق ہیں، وراثت کا تعلق بھی مرنے کے بعد سے ہے، اللہ پاک نے احکام کے بیان میں عموماً کلیات واصول پر اکتفاء کیا ہے؛ مگر وراثت کا باب نازک اور سنگین تھا؛ اس لیے اس باب کی جزئیات

تک کو بھی واضح لفظوں میں بیان کر دیا گیا ہے؛ کس وراث کو کتنا ملے گا کب ملے گا اور کب نہیں ملے گا ہر چیز واضح کر دی گئی، نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے ہی مضبوط لب ولہجہ میں اس علم کو حاصل کر لینے کی ترغیب دی؛ کیوں کہ اس کا سارا دارومدار وحی الٰہی پر ہے، نیز وحی کا سلسلہ ختم ہوجاتا ہے عقل صرف معاون ثابت ہوتی ہے، اس سے فیصلہ نہیں کیا جاسکتا، اللہ کے رسول نے فرمایا:

تعلموا الفرائض وعلموه الناس فإني امرأ مقبوض وإن العلم سيقبض تظهر الفتن حتى يختلف الاثنان فى الفريضة لا يجدان من يقضيها (اخرجه الحاكم: ٣٣٣/٤ وصححه وأقره عليه الذهبي في تلخيصه)

(فرائض کو سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ؛ کیوں کہ میرا انتقال ہوجائے گا اور یہ علم بھی اٹھالیا جائے گا، نیز فتنے ظاہر ہوں گے حتی کہ دو آدمی علم میراث کے مسئلہ میں اختلاف کریں گے اور ایسا آدمی نہیں پائیں گے جو اس بابت فیصلہ کر سکے)

خلیفۂ راشد حضرت عمر بن الخطابؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو ایک فرمایا میں لکھا:

إذا لهوتم فالهوا بالرمي، وإذا تحدثتم فتحدثوا بالفرائض (مستدرك حاكم: ٣٣٢/٤ صححه و اقره عليه الذهبي في تلخيصه)

(جب کھیلو تو تیر جلانے کا کھیل کھیلو، جب بات کرو تو فرائض ومیراث سے متعلق بات کرو)

صحابہؓ کے مابین اس علم کو سیکھنے اور سکھانے کا اہتمام بھی پایا جاتا تھا۔ میراث کے مجموعی احکام پر نگاہ ڈالی جائے تو مرنے والے کے مال کی تقسیم مساویانہ کے بجائے عادلانہ ومنصفانہ ہے۔ یہ اسلامی شریعت کا امتیازی وصف ہے کہ منصفانہ تقسیم کر کے ہر قسم کی بے راہ روی پر لگام لگا دیا ہے۔

دیگر اقوام میں میت کے مال کو تقسیم کرنے کا طریقہ

اللہ کی بے شمار نعمتوں میں سے ایک بڑی نعمت ''مال'' ہے، اس کے بغیر زندگی کی گاڑی استوار نہیں رہ پاتی ہے؛ اس لیے ہر شخص کی تگ ودَو کا محور مال ہوتا ہے اور زیادہ سے زیادہ کی طلب میں اللہ کے تمام فرمان کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے، الٰہی فیصلہ کے بجائے ''من چاہی'' طریقوں کی پیروی کی جاتی ہے، جس کا نتیجہ عدل کے بجائے ظلم وجور اور صلاح کے بجائے فساد وضیاع ہوتا ہے۔ اگر ہم دنیا کی اقوام کا جائزہ لیں تو مال کی تقسیم کی بابت کچھ اسی طرح کا نظارہ سامنے آتا ہے، دائرۃ المعارف برطانیہ کی تحقیق کے مطابق اسلام سے قبل میت کے ورثاء از قبیل اراضی وجائیداد، دکان ومکانات اور نقود وسامان تجارت ہی کے وارث ہو سکتے تھے، جو استعمالی اشیاء ہیں: زیورات، پہننے کے کپڑے،

برتن واسلحے ان میں وراثت کا تصور نہیں تھا یہ اشیاء یا تو میت کے ساتھ دفن کردی جاتیں یا ان کو نذر آتش کردیا جاتا، کبھی ایسا بھی ہوا کہ کچھ مال ورثہ کے پاس بطور یادگار باقی رہا اور کچھ مال ایام موت میں رسم ورواج انجام دینے پر جوصرفہ آتا تھا ان میں خرچ کیا جاتا تھا۔ (قانون الوراثۃ دائرۃ المعارف البرطانیہ: ۱۳/۷۹۲ بحوالہ تکملہ فتح الملہم: ۴/۷)

یہ تو عام میت کے متعلق دستور تھا، جو اہل ثروت ودولت یا صاحب حکومت وسلطنت ہوتے ان کے یہاں کی داستان تو اور بھی اندوہناک ہوتی، زندہ غلمان وباندیاں حتی کہ فوج وخدام تک مرنے والے کی قبر میں ٹھونس دیے جاتے، کبھی تو اس کے لیے بادشاہ خود اپنی زندگی میں اس کا انتظام کرتا تھا، جس طرح زندگی گزارنے کے لیے محل تیار کرتا تھا، زمین دوز محلات بھی مرنے کے بعد کے لیے تعمیر کرتا، یا دو پہاڑوں کے خلاء کو پاٹ کر اس غرض کو پورا کیا جاتا جس میں شاندار گیٹ، شاہی اصطبل، عالیشان مکان اور اس میں سجے ہوئے کمرے ہوتے اس مکان میں زندگی بھر کی وافر کائنات کو اس کے مرنے کے بعد رکھ کر بند کردیا جاتا تھا، اہرام مصر اس عکاسی کے لیے کافی ہیں بعد کے ادوار میں جب ان محلات وبرجوں کی یافت ہوئی، نیز لکھی ہوئی تحریریں پڑھنے میں آئیں تو سارا انکشاف ہوتا چلا گیا اور انسانی تاریخ اس بربریت والمیہ پر ہکا بکا رہ گئی۔

وراثت کے تعلق سے عادلانہ قانون صرف مسلمانوں کے پاس موجود ہے، جس کا مدار نقل ونص پر ہے؛ مگر عقل ودانش کے خلاف بھی نہیں۔ دوسری اقوام میں پائی جانے والی تقسیم سراسر ظلم پر مبنی ہے یا پھر مال کا ضیاع لازم آتا ہے، یونانی قانون میں عورتیں میراث سے محروم رہتی تھیں، قانون ارما، بدھ مت، ہندو دھرم ہر ایک میں عورتیں ظلم کی شکار رہی ہیں منوسمرتی (۱۸۱) کے مطابق ماں باپ کی تمام دولت کو بڑا بیٹا ہی لیتا تھا (معاشرتی مسائل دین فطرت کی روشنی میں مولانا برہان الدین سنبھلی، ص ۱۸۱)

ظلم وبربریت کا حال تو یہاں تک تھا کہ شوہر کی چتا پر بیوی کا ستی ہونا ایک مستقل نظریہ گڑھا گیا، جب عورت کو جینے کا حق نہیں تو وراثت سے حق پانے کا استحقاق کہاں ہوگا، آج کی ترقی یافتہ دور میں بھی نرینہ اولاد ہی غیر منقولہ جائداد ومال کی مستحق سمجھی جاتی ہیں، بیٹیوں اور بہنوں کو دینے کا رواج نہیں، برادرانِ وطن سے یہ صفت ہم مسلمان گھرانوں میں بھی چاہی نہ چاہی آہی گئی کہ بیٹیوں کا مطالبہ کرنا بھی ایک قسم کی توہین تصور کیا جاتا ہے، اسلام نے جو نظام وراثت پیش کیا ہے وہ ہر طرح سے عدل وانصاف پر مبنی ہے چنانچہ اس نظام کے تحت:

(۱) مرنے والے کی ہر شئی ہر وارث کو بلا کسی تفریق ملے گی، یہ الگ بات ہے کہ مقدار میراث میں بہت سی حکمتوں کے پیش نظر فرق بھی رکھا گیا ہے جس کو ہم منصفانہ وعادلانہ تقسیم سے تعبیر کرتے

ہیں، مساویانہ تقسیم سے ایک صنف کا بظاہر فائدہ ہوتا ہے؛ لیکن دوسری صنف ستم کی شکار ہوجاتی ہے، اسلام نے عدل وانصاف پر مشتمل نظام کی حمایت کی ہے خواہ تھوڑی دیر کے لیے ہماری عقلوں میں نہ آسکے مگر وقت وحالات کے گزرنے پر ساری حکمتیں کھلتی چلی جائیں گی۔

(۲) میراث کی بابت اسلام کا یہ اصول بھی اہم ہے کہ مرنے والے کی میراث صرف اقربار میں تقسیم ہوگی اجانب کے لیے اقربار کے ہوتے ہوئے حصہ مقرر نہیں کیا گیا ہے، وہ اقربار خواہ اصحاب الفرائض کی شکل میں ہوں یا عصبات ودیگر جہات کی قبیل سے، اسی لیے قرآن کریم نے متبنّیٰ و لے پالک کے رواج کو کالعدم قرار دیا جس کی بنا پر زمانۂ جاہلیت میں حقیقی ونسبی اولاد کی طرح حق میراث بھی ثابت ہوجایا کرتا تھا۔

(۳) اس نظام کا یہ بھی امتیاز ہے کہ ہر چھوٹا بڑا حتی کہ پیٹ میں موجود بچہ بھی میراث کا مستحق ہوتا ہے وارث ہونے کی حیثیت سے تمام وارث برابر ہیں کسی کو دینا اور کسی کو نہ دینا یہ ظلم ہے، زمانۂ جاہلیت میں میراث صرف بالغ وارث کو ملتی تھی جو قتال وجہاد کا جوہر دکھانے پر قادر ہوں، ابن جریر طبری نے اپنی تفسیر میں للرجال نصيب مما ترك الوالدان إلخ کی تفسیر کرتے ہوئے جس سبب نزول پر روشنی ڈالی ہے اس سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

عن عكرمة قال: نزل في أم كحلة وابنة كحلة وثعلبة وأوس بن سويد وهم من الأنصار، كان أحدهم زوجها والآخر عم ولدها، فقالت: يا رسول اللّٰه! توفي زوجي وتركني وابنته فلم نورث، فقال عم ولدها: يا رسول اللّٰه! لا تركب فرسًا ولا تحمل كلا ولا تنكئى عدوًا وتكسب عليها ولا يكتسب، فنزلت للرجال نصيب مما ترك الوالدان. (تفسير ابن جرير الطبرى: ٤/١٦٣)

(عکرمہ کہتے ہیں: ام کحلہ، کحلہ کی بیٹی، ثعلبہ اور اوس بن سوید کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے یہ سب انصار میں سے ہیں۔ اوس وثعلبہ میں سے ایک ام کحلہ کا شوہر دوسرا کحلہ کے بچوں کا چچا ہے، ام کحلہ نے کہا: یارسول اللہ! میرے شوہر کا انتقال ہوگیا اور اس نے مجھ کو اور اپنی بیٹی کو چھوڑا ہے پس ہم کو وراثت نہیں دی گئی، چچا نے کہا: یارسول اللہ! یہ خاتون تو نہ شہ سواری کرسکتی ہے اور نہ ہی کوئی ذمہ داری اٹھاسکتی ہے، کسی دشمن کو مجروح نہیں کرسکتی، اس کو کما کر دیا جاتا ہے خود کسب نہیں کرسکتی، تو آیت: للرجال نصيب نازل ہوئی)

(۴) اقربیت معیار وراثت ہے، اسلامی نظام کا یہ بھی امتیاز ہے کہ اس کی بنیاد رشتہ داری کی اقربیت پر ہے اسی وجہ سے قریب کا وارث بعید کے وارث کو بشرطیکہ جہت وراثت ایک ہو تو محجوب

کر دیتا ہے؛ لیکن دونوں قرابت میں مساوی ہوں تو پھر ایک دوسرے کو محجوب نہیں کر پاتا ہے، اسی بنیاد پر بھائی و بہن ایک درجے کے ہیں دونوں کو میراث سے حصہ ملتا ہے؛ بیٹا و بیٹی دونوں کو قرابت مساوی درجے کی ہے؛ اس لیے دونوں کو حصہ ملتا ہے، حقیقی دادا و دادی دونوں کو حصہ دیا جاتا ہے، اس کے برخلاف نصاریٰ کے یہاں میراث کا استحقاق کبیر السن ہونا ہے، لہٰذا سب سے بڑی اولاد میراث کی مستحق ہوتی ہے باقی ساری اولاد محروم ہوجاتی ہیں یہ سراسر ظلم نہیں تو کیا ہے۔

بہرحال اسلامی نظام میراث کے یہ بعض امتیازی پہلو ہیں جن سے میراث کا مسئلہ مساویانہ کے بجائے عادلانہ ومنصفانہ ہوگیا ہے۔

اسلام میں عورت کا حق میراث

اس صنف نازک کو ہر دور میں مظلوم ومقہور کیا گیا، اسلام ایک واحد مذہب ہے جس نے عورت کو اس کا مناسب حق دلایا۔ میراث کا باب بھی ایسا رکھا گیا جس میں عورتوں کے ساتھ انصاف کا معاملہ ہو؛ لیکن عقل کے پرستاروں نے اسلام کے اس نظام پر بھی خوب واویلا مچایا ہے اور مچا رہے ہیں، اصل میں ان کج فہموں نے جب ان کے اوپر وہی ذمہ داریاں ڈال دی جو مردوں پر ڈالی جاتی ہیں تو حقوق بھی مساوی دینے کا دعویٰ کرنے کے درپے ہوئے اور خود مساوی حق دیا نہیں مطالبہ یہ کیا کہ قرآن وحدیث میں آئے ہوئے حقوق کو جو عادلانہ ہے ان کو مساویانہ کر دیا جائے، عورتوں کی بابت اسلام نے جس قانون میراث کو نافذ کیا ہے اس قانون کے تحت صرف چار حالتیں ایسی ہیں جن میں مرد وزن کے مابین فرق معلوم ہوتا ہے وہ چار حالتیں مندرجہ ذیل ہیں:

(الف) بیٹی و بیٹا دنوں ہوں تو بیٹی کو بیٹا کے مقابلہ کم ملتا ہے، قرآن کا ارشاد ہے: یوصیکم اللّٰہ في أولادکم للذکر مثل حظ الانثیین، پوتے و پوتی کا حکم بھی یہی ہے۔

(ب) ماں و باپ دونوں موجود ہوں، اولاد نہ ہوں تو باپ کو ماں کے مقابلہ ڈبل ملتا ہے، قرآن کریم میں ہے فإن لم یکن له ولد وورثه أبواه فلأمه الثلث (اگر اولاد نہ ہو اور وارث والدین ہوں تو ماں کے لیے ثلث باقی دو ثلث باپ کے لیے)

(ج) حقیقی یا علاتی بہن، حقیقی یا علاتی بھائی کے ساتھ ہو تو بھائی کو بہن سے زیادہ حصہ ملتا ہے۔

(د) شوہر کا انتقال ہو تو بیوی کو چوتھائی یا آٹھواں حصہ ملتا ہے، جبکہ بیوی کا انتقال ہو تو شوہر کو نصف یا کم از کم چوتھائی حصہ ملتا ہے۔

وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِن لَّمْ يَكُن لَّهُنَّ وَلَدٌ، فَإِن كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ

مِمَّا تَرَكْنَ مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِينَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ، وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِن لَّمْ يَكُن لَّكُمْ وَلَدٌ، فَإِن كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُم مِّن بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ.(النساء:۱۲)

(تمہارے لیے اگر بیویوں کے پاس اولاد نہ ہوں تو نصف ہے، پس اگر کوئی اولاد ہوتو تم کو وصیت ودین کے بعد ربع ملے گا؛ ان بیویوں کے لیے تمہارے مال میں سے ربع ہے اگر تمہاری کوئی اولاد نہیں ہو، پس اگر تمہاری کوئی اولاد ہوتو ان کے لیے تمہارے مال سے ثمن ہے وصیت کی تنفیذ اور ادائے دین کے بعد)

یہ وہ چار احوال ہیں جن میں جہت قرابت میں یکسانیت کے باوجود مقدار میراث میں یکسانیت نہیں ہے؛ لیکن صاحب ایمان کے لیے تو اتنا ہی کافی ہے کہ اس کے رب جلیل وعلیم وخبیر کا حکم یہی ہے، ہمارا مال یا یہ کائنات حقیقت میں اسی مالک کی ملک ہے۔ اپنی ملک میں جو چاہے حکم دے جس کو جتنا مل رہا ہے وہ بھی احسان ہی ہے، ورنہ ایک غلام ومملوک تو اس کا بھی مستحق نہیں؛ مگر اللہ کی ذات پر ایمان نہ رکھنے والے اور مریض ذہنوں وعقلوں کو اشکال ہوتا ہے کہ آخر مردوں کو زیادہ کیوں دیا جارہا ہے؟

دراصل ان کا یہ وہم خانہ زاد ہے اور خود ان کے طرزِ عمل کی پیداوار ہے، جب انھوں نے ساری ذمہ داریاں عورتوں سے بھی متعلق کردیں تو حقوق کے حصول کا استحقاق بھی اسی درجہ کا ہوگا؛ جبکہ اسلام میں مالی ذمہ داری خاص طور پر عورتوں پر عائد ہی نہیں ہے ساری ذمہ داری مردوں پر ہے، خواہ بیٹی ہو یا بہن، ماں ہو یا بیوی اگر ان کے شوہر موجود ہیں تو ان پر ورنہ ان کی اولاد پر اور اولاد نہ ہونے کی صورت میں دیگر رشتہ داروں پر ترتیب وار مالی کفالت کا بوجھ آتا ہے، جو کچھ ان خواتین کو مل رہا ہے وہ بھی محفوظ ہی رہے گا، مثال کے طور پر ایک باپ کا انتقال ہوا، ایک بیٹا اور ایک بیٹی نیز تین لاکھ روپے ہیں، بیٹے کو دو لاکھ اور بیٹی کو ایک لاکھ کی رقم دی گئی، دونوں کی شادی ہوگئی اور مہر ایک ایک لاکھ متعین ہوئی، بیٹے نے اپنی بیوی کو ایک لاکھ دیا اب اس کے پاس صرف ایک لاکھ باقی ہے؛ جبکہ بیٹی کو شوہر کی جانب سے ایک لاکھ ملا تو اس کا مال دوگنا ہوگیا، مزید اس پر یہ کہ بیٹے کی بیوی کا نفقہ وغیرہ کا بوجھ بھی بیٹا کو برداشت کرنا پڑے گا جبکہ بیٹی کی ساری ذمہ داری پہلے اس کے بھائی پر تھی اب اس کے شوہر پر عائد ہوئی، کیا یہ عورت پر ظلم ہوا یا اس کے ساتھ حسن سلوک ہوا۔

یہاں یہ شبہ نہیں کرنا چاہیے کہ تب تو نرینہ اولاد پر ظلم ہوا؛ اس لیے کہ نرینہ اولاد کو قدرت کی طرف سے کسب کی بے پناہ صلاحیت نوازی گئی، وہ اپنی اس خوابیدہ صلاحیت کو رفتہ رفتہ بروئے کار لاکر اس سے بھی زیادہ مال جمع کرسکتا ہے، یہی وہ نکتہ ہے جس کو مادہ پرستوں کی جماعت سمجھ نہیں پارہی ہے، دونوں کا خلقی ڈھانچہ اور فطری وطبعی ساخت وپرداخت کا تقاضا یہی ہے کہ ذمہ داریاں مردوں پر

عائد کر کے میراث کے مال کو دو چند کر دیا جائے؛ مگر ہوا یہ کہ اس فطری وخلقی تقاضا کو پس پشت ڈال کر دن بھر کی ڈیوٹی میں مردوں کی طرح عورتوں کو بھی لگا دیا گیا جو اس صنف نازک کے لیے سراسر ظلم وزیادتی ہے، نہ کہ عدل وانصاف۔

اوپر ذکر کردہ چار صورتوں کے علاوہ ایسی بہت سی صورتیں ہیں جن میں عورتوں کو میراث مردوں کے برابر بلکہ بعض اوقات مردوں سے زیادہ ملتی ہے، درج ذیل سطور میں اس کی طرف صرف اشارہ کیا جارہا ہے:

(۱) اگر ماں وباپ موجود ہیں اور ساتھ میں میت کی مذکر اولاد بھی ہے تو اس صورت میں دونوں کو چھٹا حصہ ملتا ہے، صرف مؤنث اولاد ہونے کی حالت میں کبھی باپ کو زیادہ ملتا نظر آتا ہے تو اس کی وجہ اس میں ایک جہت کا مزید پایا جانا بھی ہے اور وہ اس کا عصبہ ہونا ہے، اگر باپ نہ ہو؛ بلکہ اس کی جگہ بہن ہو تو وہ حصہ بہن کو عصبہ ہونے ہی کی وجہ سے چلا جاتا ہے۔

(۲) اخیافی یعنی ماں شریک بہن ہمیشہ اخیافی یعنی ماں شریک بھائی کے برابر حصہ پاتی ہے، قرآن کریم کا ارشاد ہے:

وَإِن كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَالَةً أَوِ امْرَأَةٌ وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ فَإِن كَانُوٓا أَكْثَرَ مِن ذَٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ (النساء:۱۲)

(اگر کلالہ وارث ہو، یا بیوی ہو اور اس کا ایک بھائی یا ایک بہن ہو تو ہر ایک کے لیے سدس ہے پس اگر ایک سے زائد ہوں تو سب ثلث میں شریک ہوں گے)

(۳) بعض ایسی بھی صورتیں ہیں کہ دو جہت کے مذکر ومؤنث ورثاء ہیں ان میں مؤنث کو مذکر کے برابر میراث ملتی ہے، مثلاً شوہر اور حقیقی بہن ہو تو شوہر کو نصف اور بہن کو بھی نصف ملے گا۔ اسی طرح شوہر موجود ہے، بیٹی وبہن بھی ہیں تو شوہر کو چوتھائی؛ جبکہ بیٹی کو نصف اور بہن کو شوہر کے برابر چوتھائی دیا جاتا ہے۔ شوہر، ماں، اخیافی بہن واخیافی بھائی ہیں تو شوہر کو نصف ماں وبہن کو چھٹا حصہ باقی چھٹا حصہ بھائی کو دیا جاتا ہے اس صورت میں بھائی وبہن دونوں کو برابر مل رہا ہے۔

آپ نے دیکھا ان تین حالتوں میں اور پھر ان حالات کے تحت مختلف صورتوں میں عورت مرد کے برابر اور کسی کسی موقع پر عورت کو زیادہ بھی مل رہا ہے۔

(باقی آئندہ)

❁ ❁ ❁

اسبابِ طلاق — چند غور طلب پہلو

از: مولانا عبدالرشید طلحہ نعمانی

نکاح مرد وزن کے درمیان جائز تعلقات کی استواری کا وہ واحد ذریعہ ہے؛ جس پر نسل ونسب کی حفاظت موقوف ہے۔ نکاح کوئی وقتی اور عارضی رشتہ نہیں؛ بل کہ ایک پائیدار معاہدہ ہے، جس کے ان گنت منافع قرآن وحدیث میں بیان کیے گئے ہیں۔ مثلاً نکاح کے بعد زوجین عفت وپاک دامنی والی زندگی گزارتے ہیں، بدنگاہی وزنا کاری جیسے کبیرہ گناہوں سے محفوظ رہتے ہیں، جنسی تسکین کے ساتھ ساتھ ذہنی وقلبی اطمینان حاصل کرتے ہیں۔ پھر اسی نکاح کے ذریعہ نیک وصالح اولاد وجود میں آتی ہے جو والدین کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کا سرور ثابت ہوتی ہے وغیرہ۔

نکاح کی اسی اہمیت کے پیش نظر سرکار دوعالم ﷺ نے اسے نہ صرف اپنی سنت قرار دیا؛ بل کہ پچھلے تمام انبیاء کی سنت بتلایا اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ نکاح، تکمیلِ ایمان کا سبب ہے اور شرم گاہ کی حفاظت، جنت کی ضمانت ہے۔ اس کے برعکس طلاق کے سلسلہ میں فرمایا گیا کہ وہ اللہ کے نزدیک مبغوض ترین مباحات میں سے ہے۔ (نسائی) حکیم الامتؒ اس حدیث کے ضمن میں تحریر فرماتے ہیں: "طلاق ضرورت کے تحت جائز رکھی گئی ہے، بغیر ضرورت طلاق دینا بہت بری بات ہے؛ اس لیے کہ نکاح تو آپس میں الفت ومحبت اور میاں بیوی کی راحت کے لیے ہوتا ہے اور طلاق سے ان نیک مقاصد کا راستہ بند ہوجاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کی ناشکری ہوتی ہے، دونوں کو پریشانی ہوتی ہے، آپس میں دشمنی ہوتی ہے، نیز اس کی وجہ سے بیوی کے رشتہ داروں سے بھی دشمنی پیدا ہوجاتی ہے، جہاں تک ہوسکے ہرگز ایسا نہیں کرنا چاہیے، میاں بیوی کو ایک دوسرے کو برداشت کرنا چاہیے اور پیار ومحبت سے رہنا چاہیے" (بہشتی زیور) یہی وجہ ہے کہ نزاع واختلاف اور نشوز ونافرمانی کی صورت میں زوجین کے درمیان مصالحت ومفاہمت ہی شریعت مطہرہ کی اولین ترجیح اور اہم ترین

مطلوب ہے۔

موجودہ حالات میں جب کہ تین طلاق کا قانون نافذ ہو چکا ہے اور زیر التوا کئی ایک مقدموں کے علاوہ طلاق کے تازہ ترین واقعات بھی مسلسل رونما ہوتے جارہے ہیں؛ اس لیے اس بات کی ضرورت محسوس ہوئی کہ صرف مذمتی بیانات اور وقتی جوش وخروش کے بجائے طلاق کی اصل بنیاد اور اس کے اسباب ووجوہ پر روشنی ڈالی جائے؛ تاکہ اجتماعی طور پر ہمیں غور وفکر کا موقع ملے اور ٹھوس لائحۂ عمل کے ساتھ ہم میدان عمل میں اتر سکیں۔

عاقدین سے رائے مشورہ طلب کرنے میں کوتاہی

نکاح کے معاملہ میں شریعت نے مرد وعورت کو پسند اور ناپسند کا پورا اختیار دیا ہے۔ پھر جہاں ایک طرف اس حساس ونازک مسئلہ میں والدین کو بے جا اصرار وسختی سے منع کیا ہے۔ وہیں دوسری طرف لڑکے اور لڑکی کو بھی ترغیب دی ہے کہ وہ والدین کی اجازت واعتماد کے بغیر کوئی قدم نہ اٹھائیں۔ اس معتدل تعلیم کے برعکس ہمارے معاشرے میں بہت سے گھرانے ایسے ہیں جہاں والدین اور دیگر قریبی رشتہ دار ہی لڑکے یا لڑکی کو پسند کرنے میں نہ صرف کلیدی؛ بلکہ کلی اختیار رکھتے ہیں اور اصل عاقدین سے استصواب اور مشاورت بھی ضروری نہیں سمجھتے یا برائے نام سرسری ذکر پر اکتفا کرتے ہیں یا پھر بچپن میں کیے گئے اپنے معاہدے کی دہائی دیتے ہیں؛ جس کا بعد میں چل کر بھاری نقصان اٹھانا پڑتا ہے اور اختلاف وناچاقی کے بعد طلاق تک کی نوبت آجاتی ہے۔

ایسے مواقع پر تو شریعت مطہرہ نے ایک نظر دیکھنے کی بھی اجازت مرحمت فرمائی ہے؛ بل کہ اس عمل کو زوجین کے درمیان موافقت وہم آہنگی کا سبب بتلایا ہے۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالی عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک عورت سے منگنی کی تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے: کیا تم نے اسے دیکھا ہے؟ میں نے نفی میں جواب دیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے: جاؤ! اسے جاکر دیکھو کیونکہ ایسا کرنا تم دونوں کے مابین زیادہ استقرار کا باعث بنے گا۔ ایک روایت میں یہ صراحت بھی ہے کہ انھوں نے ایسا ہی کیا، راوی کہتے ہیں کہ اس سے شادی کرلی اور اس عورت کی موافقت کا بھی ذکر کیا۔ (ابن ماجہ، سنن دارقطنی)

معلوم ہوا کہ اولیاء وسرپرستان لڑکے اور لڑکی کی پسند کا خیال کرتے ہوئے ان کے اطمینان کے بعد ہی بات کو آگے بڑھائیں ورنہ جلد بازی میں لیا گیا ایک فیصلہ پورا گھر اور خاندان اجاڑ سکتا ہے۔

حیثیت وکفائت کی عدم رعایت

شادی بیاہ کے موقع پر باہمی یگانگت، برابری اور کفو کا بھی شریعت نے اعتبار کیا ہے؛ کیوں کہ میاں بیوی کے درمیان فکر وخیال، معاشرت، طرز رہائش اور دینداری وغیرہ میں یکسانیت یا قربت ہونے کی صورت میں اس کی زیادہ امید ہوتی ہے کہ دونوں کی ازدواجی زندگی خوشگوار گزرے اور رشتۂ نکاح مستحکم ہو۔ بے جوڑ نکاح عموماً ناکام رہتے ہیں اور اس ناکامی کے برے اثرات ان دونوں تک محدود نہیں رہتے؛ بل کہ ہنستے بولتے کئی گھرانے متاثر ہوجاتے ہیں؛ اس لیے احکام نکاح میں شریعت نے کفائت کی رعایت کی ہے۔

احناف کے نزدیک نکاح میں کفائت کا اعتبار نسب، نسل، اسلام، آزادی، مال ودولت، دیانت اور پیشہ میں ہے۔ (فتاوی عالمگیری) یعنی زوجین کے درمیان ذات برادری، دینداری، مالداری، آزادی اور پیشہ وغیرہ میں یکسانیت ہونی چاہیے؛ تاکہ نکاح کا مقصد پورا ہوسکے۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "تم صرف کفو والی عورتوں سے نکاح کرو"۔ (دارقطنی)

اس وقت نکاح کے لیے طرفین کی جانب سے اونچے گھر، مال وجائیداد کی کثرت اور دیگر دنیوی ساز وسامان کو معیار بنالیا گیا؛ جب کہ آپ ﷺ نے دین داری اور اچھے اخلاق کو معیار بنانے کا حکم دیا۔

والدین یا سرپرستوں کا ناروا تسلط

اللہ رب العزت نے آسمانوں پر سب سے پہلا رشتہ شوہر وبیوی کا بنایا پھر ان کے درمیان اپنی جانب سے محبت ومودت ڈال دی اور اس کو قدرت کی ایک بڑی نشانی قرار دیا؛ یہی وجہ ہے کہ عام طور پر زوجین کے درمیان نزاع واختلاف اسی وقت دیکھنے میں آتا ہے جب کوئی تیسرا شخص درمیان میں دخل اندازی کرتا ہے یا زبان درازی اور چغل خوری کے ذریعہ معاملہ کو خراب کرنے لگتا ہے۔

جوائنٹ فیملی میں بہ کثرت ایسا ہوتا ہے کہ باضابطہ خوف وہراس کا ماحول بنایا جاتا ہے، میاں بیوی کے جائز جذبات واحساسات کو یکسر نظرانداز کردیا جاتا ہے اور خاندانی روایات کی پیروی کو شریعت سے بھی زیادہ اہمیت دی جاتی ہے؛ جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ زوجین میں اتحاد باقی نہیں رہتا، شوہر یک طرفہ اپنے والدین کی سنتا ہے تو بیوی ناراض ہوجاتی ہے اور صرف بیوی کی سنتا ہے تو والدین کا نافرمان قرار پاتا ہے؛ یہیں سے جھگڑا شروع ہوتا ہے اور بات طلاق تک پہونچ جاتی ہے۔ بہ غور دیکھا جائے تو شرح طلاق میں اضافے کا ایک بڑا سبب یہ بھی ہے۔

اس سلسلہ میں بعض بزرگان دین کا یہ تجربہ بھی بہت مفید ہے کہ نکاح کے بعد کچھ ماہ نوبیاہی جوڑے کو ساتھ رکھا جائے، اس دوران ان کی مناسب تربیت کی جائے پھران کا گھربار الگ کردیا جائے؛ تاکہ وہ خود اپنے سیاہ وسفید کے مالک ہوجائیں۔ بہ صورت دیگر سرپرستان کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے اوپر عائد ہونے والے حقوق تو برابر ادا کرتے رہیں؛ مگر بچوں کی جانب سے ہونے والی حق تلفی اور کوتاہی کو نظرانداز کریں یا نصیحت وموعظت سے کام چلاتے رہیں۔ بات بات پر گوش مالی اور زجروتوبیخ، طبیعت میں انقباض پیدا کرتی ہے؛ جس کا فائدہ کم اور نقصان زیادہ ہے۔

سوشل میڈیا کا غلط استعمال

خوش گوار ازدواجی زندگی کے لیے یہ بات نہایت ضروری ہے کہ زوجین میں سے ہر ایک، ایسے کام سے مکمل اجتناب کریں، جو اس محبت بھرے رشتہ کی دیواروں کو منہدم یا کمزور کردے۔ اور ہر ایسے کام کو انجام دینے میں سبقت کریں؛ جس سے اس رشتہ کی بنیادیں مضبوط سے مضبوط تر ہوتی چلی جائیں۔ یہ بات اپنی جگہ سچ ہے کہ آج سوشل میڈیا کی بدولت پوری دنیا ایک گاؤں کی شکل اختیار کرچکی ہے، ابلاغ وترسیل کے ان گنت ذرائع عام ہوچکے ہیں، پل بھر میں نہ صرف اپنی آواز کروڑوں میل دور تک پہونچائی جاسکتی ہے؛ بلکہ اپنی حرکات وسکنات سے مطلع بھی کیا جاسکتا ہے۔

سوشل ویب سائٹس میں زیادہ تر لوگ فیس بک، ٹویٹر، یوٹیوب، گوگل پلس، انسٹا گرام اور واٹس ایپ وغیرہ استعمال کرتے ہیں؛ جن میں حسب استعمال نفع وضرر کے دونوں پہلو موجود ہیں؛ مگر سنجیدگی کے ساتھ غور کیا جائے اور معاشرے کا بہ نظر غائر جائزہ لیا جائے تو شادی شدہ جوڑوں کے لیے سوشل میڈیا کا بہ کثرت استعمال سم قاتل سے کم نہیں۔ نامحرموں سے چیٹنگ وگفتگو، اہل خانہ کے لیے عدیم الفرصتی کا بہانہ، درون خانہ بھی اپنی ہی مصروفیات یا لغویات میں انہماک وغیرہ ایسے امور ہیں جن کا نتیجہ طلاق وخلع کی شکل میں ظاہر ہورہا ہے۔

آج اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ سوشل میڈیا کا بہ وقت ضرورت محدود استعمال ہو اور حرام ولایعنی امور سے کلی اجتناب کی کوشش کی جائے؛ تاکہ ازدواجی زندگی کو بارونق بنایا جاسکے۔

خواتین کی غیرضروری ملازمت

اسلام نے شوہر وبیوی کے درمیان تقسیم کار کا جو اصول بتلایا ہے، وہ پرسکون ازدواجی زندگی کے لیے نہایت ضروری ہے۔ یعنی خاوند کمانے اور کھلانے کا مکلّف ہے؛ جب کہ بیوی امور خانہ داری کو انجام دینے کی ذمہ دار ہے۔ حجۃ الوداع کے موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خطبہ دیا اس میں

عورتوں کے تعلق سے یہ ہدایت بھی شامل ہے: ''تم پر ان کو معروف کے مطابق کھانا کھلانے اور کپڑا پہنانے کی ذمہ داری ہے'' (مسلم، کتاب الحج)۔

طلاق کے اسباب میں ایک اہم سبب محض جذبے اور شوق کی تسکین کے لیے خواتین کی غیر ضروری ملازمت بھی ہے۔ یہ وہ ناسور ہے جو تیزی کے ساتھ مسلم سماج کا حصہ بنتا جارہا ہے؛ جس کے متعدد نقصانات سامنے آرہے ہیں جیسے: احساس برتری کی کیفیت، خودمختاری کا جذبہ، شوہر کے اختیارات میں دخل اندازی، اولاد کی پرورش و پرداخت میں کمی اور کوتاہی، بیوی کی آمد و رفت پر شوہر کی جانب سے شکوک وشبہات کا اظہار وغیرہ

نوٹ: واضح رہے کہ بہ وقت ضرورت، درجۂ مجبوری میں پردہ وحجاب وغیرہ کی جملہ شرطوں کے ساتھ خواتین کی ملازمت کا نفس جواز اپنی جگہ مسلّم ہے۔ خاص کر لیڈی ڈاکٹر یا معلّمہ کی حیثیت سے ان کی خدمات نہایت قابل قدر ہیں۔

خلاصۂ کلام

معاشرے میں وقوعِ طلاق کے یہ چند بنیادی اسباب تھے، ورنہ ان کے علاوہ اور بھی بہت سی وجوہات ہوسکتی ہیں، مثلاً عورت کا بانجھ پن یا نرینہ اولاد سے محرومی، زوجین کی ایک دوسرے کے مزاج سے ناواقفیت یا ہٹ دھرمی، مرد کی جانب سے حقوق وفرائض میں کوتاہی، رہائش وغیرہ کا نامعقول انتظام، زوجۂ اولی کو اعتماد میں لیے بغیر نکاح ثانی کا اقدام وغیرہ۔ یہ اور ان کے علاوہ جملہ اسباب کا سدباب اسی وقت ممکن ہے جب کہ اس حوالے سے شعور بیداری مہم چلائی جائے، طریقۂ طلاق سے مکمل آگہی دی جائے، ملک کے ہر صوبے اور صوبے کے ہر ضلع میں جگہ جگہ ورک شاپ اور تربیتی پروگرام منعقد کیے جائیں اور مسجد کے ائمہ وخطباء کے ذریعہ اس تحریک کو فروغ دیا جائے۔ تب کہیں جاکر بے جا طلاق کے اس سیلاب کو بڑی حد تک نہ سہی کسی حد تک ضرور روکا جاسکتا ہے۔

حق تعالی ہمیں حالات کا ڈٹ کر مقابلہ کرنے اور حکمت و دوراندیشی سے مسائل کا حل تلاش کرنے کی توفیق ارزانی فرمائے۔ آمین

❁ ❁ ❁

حضرت اورنگ زیب عالم گیر علیہ الرحمۃ

حیات اور کارنامے اور الزام تراشی کی تردید

(۲/۲)

از: مولانا شاہد قاسمی سیتاپوری
فاضل دارالعلوم دیوبند

سیاسی وملکی خدمات

عالمگیرؒ کی پوری زندگی جدوجہد اور تحریک سے عبارت ہے، بادشاہ ہونے سے پہلے اولاً دوسال ۱۶۴۵ء سے ۱۶۴۷ء تک گجرات کے گورنر رہے، اس کے بعد بلخ کی جنگی مہم پر بھیج دیا گیا، جہاں ان کی قیادت میں مغل تسلط قائم ہوا، پھر ملتان، سندھ کی صوبہ داری دی گئی جہاں ۱۶۴۸ء تا ۱۶۵۲ء کے درمیان دو دفعہ قندھار پر حملہ کر کے اپنا تسلط قائم کیا گیا، ۱۶۵۲ء میں نہایت کٹھن مہم پر دکن کا صوبہ دار بنا دیا گیا جہاں ۲۴/ سالہ قیام کے دوران متعدد مہمات میں شرکت کے ساتھ ان بھائیوں سے بھی جنگ لڑی جو شاہ جہاں کی حیات میں ہی سلطنت پر قبضہ کرنا چاہتے تھے، سری نگر، بہار، آسام، تبت، اراکان، چاٹگاؤں، بیجاگاؤں، گولکنڈہ کی فتح کے ساتھ افغانستان کے ان سرحدی پٹھانوں کو بھی نہیں بخشا جو آج بھی ناقابل تسخیر تصور کیے جاتے ہیں (۳۷) اور بہ قول قاضی شوکت فہمی:

''اس کے خلاف جتنی بھی انقلابی سازشیں اور بغاوتیں اٹھیں وہ صابن کے جھاگ کی طرح بیٹھ گئیں جسونت سنگھ اس کے سامنے جھک گیا، شیواجی جیسے سخت آدمی کو اس کے دربار میں حاضری دینی پڑی، ستنامیوں کا خوف ناک فتنہ آن کی آن میں ختم ہوگیا، مہارانا اودیپور کی سرکردگی میں راجپوتوں نے اس کے خلاف مشترکہ محاذ بنایا مگر بھاگ کھڑے ہوئے، اس کے بیٹے کو توڑا گیا مگر کوئی نتیجہ نہ نکلا غرض یہ کہ اورنگ زیبؒ (ملک کے لیے) ایک ایسی مضبوط چٹان تھا اس سے جو بھی ٹکرایا پاش پاش ہوگیا'' (۳۸)

ملک کو متحدہ بنانے کا سہرا

بہ قول ایک مؤرخ: ''اورنگ زیبؒ نے ہندوستان کو ایک متحد ملک یعنی نیشن اسٹیٹ بنا دیا تھا اور پہلی بار ہندوستان سے لے کر چٹاگانگ اور کشمیر سے لے کر کرناٹک تک ایک ایسا ملک تھا جس کا

ایک حکمراں، ایک فوج، ایک سکہ اور ایک جھنڈا تھا گویا ہندوستان کو نیشن اسٹیٹ بنانے کا سہرا اورنگ زیب کے سر جاتا ہے''۔(۳۹)

چنانچہ ''الدکتور سید حسین العفانی'' لکھتے ہیں:

"وامتدت دولة الإسلام من سفوح "الهملايا "فى الشمال حتى شواطئى البحر فى أقصى الجنوب ".(۴۰)

ان تمام کارناموں کا محرک دراصل اورنگ زیبؒ کی وہ حمیت وحمایت اسلام ہے جو اس کی رگ وپے میں سرایت کیے ہوئے تھی، اس کی بے نظیر قوت ارادی، استقلال طبیعت، انتظامی صلاحیت سادہ بلکہ زاہدانہ زندگی نے ملک کو وسعت دینے اور اس کی تعمیر ترقی کے لیے آرام کا موقع نہ دیا؛ چنانچہ مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندویؒ لکھتے ہیں:

"لم يقطع ولم يتوقف يوماً واحداً فى خمسين سنة حكم فيها ..... ولم يزل مرابطاً منا زلاً الى آخر ساعاته".(۴۱)

الدکتور سید حسین العفانی "ألملك العظيم الراشد أورانك زيب عالمكير لانظير له فى العدل والزهد"

جیسا عظیم ترین عنوان ڈال کر "الامام العادل "کی فہرست میں شمار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ومع هذه الفتوحات العظيمة كا ن ينظر فى كل شئون الملك وقضايا الرعية بمثل عين العقاب"(۴۲)

الزام تراشی کی حقیقت

مغلیہ سلطنت کے زوال کے بعد ہندوستان میں انگریزوں نے اپنے دور حکومت میں سیاسی مصالح کی خاطر نیز ہندو و مسلم میں منافرت پیدا کرنے کے لیے اس بات کی پوری کوشش کی ہے کہ مسلم حکمرانوں کو زیادہ سے زیادہ برا دکھا کر پیش کیا جائے تاکہ ان کی غاصبانہ حکومت رحمت الٰہی سمجھی جائے گی۔ اس کام کو انجام دینے میں متعصب مؤرخین اور برطانوی عہد کے مرتبوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اور گمراہ کن استدلالات، مغالطہ آمیز معلومات اور غلط تعبیرات بلکہ اپنے ذاتی مفادات کے واسطے مادر وطن کی اصل تاریخ کو مسخ کرتے ہوئے قومی یکجہتی واتحاد کے علمبردار بلکہ علامت اس عظیم حکمراں کو بت شکن، ہندوکش، ظالم وجابر بادشاہ کی حیثیت سے متعارف کرایا، یہی نہیں بلکہ ان کی تاریخ نویسی وسوانحی نگاری کا مقصد بہ قول سید صباح الدین عبدالرحمٰن یہ ثابت کرنا تھا کہ

''اورنگ زیبؒ نے پچاس برس تک اس لیے حکومت کی کہ وہ ہندوؤں کو ذلیل کرے، ان کو ملازمتوں سے محروم رکھے، ان کے مندروں کو منہدم کرتا رہے، ان کے علوم وفنون کو برباد کردے، راجپوتوں کی حب الوطنی کے جذبات کو کچل کر رکھ دے اور فادر لینڈ کی محبت میں لڑنے والے اور قومی حکومت قائم کرنے والے مرہٹوں کو راکھ کا ڈھیر بنادے''۔(۴۳)

مگر حقیقت بالکل برعکس ہے اگر معتبر اور مستند تاریخ، حالات وواقعات کے پس منظر اور وقت کی نزاکتوں ومجبوریوں کو سامنے رکھتے ہوئے ان الزامات کی تحقیق کی جائے تو معلوم ہوگا کہ اورنگ زیبؒ کی ہی وہ عالمگیر شخصیت ہے جو غیر متعصب، رواداری وخیر سگالی کے جذبے سے سرشار ہوکر ۵۱/سالہ دور حکومت میں بکھرے ہوئے ہندوستان کے گیسوؤں کو سنوار کر سونے کی چڑیا بنایا۔

الزام تراشی کی وجہ

قاضی شوکت فہمی رقم طراز ہیں کہ

''یہ ضرور ہے کہ وہ اکبر کی طرح بے دین اور جہاں گیر کی طرح مذہبی معاملات میں لاپرواہ نہیں تھا، بلکہ شعائر اسلام کا سختی کے ساتھ پابند تھا غالباً یہی اس کا سب سے بڑا گناہ ہے''۔(۴۴)

نیز ہندوستان کی بدقسمتی ہے کہ عالم گیرؒ کے جانشیں ایسے ناخلف ہوئے جنھوں نے اپنی کوتاہیوں پر پردہ ڈالنے کے لیے عالمگیرؒ کو بدنام کرنا ضروری سمجھا۔ غالباً یہی اسباب ہیں جن کی بناء پر لوگوں کو الزام تراشی کا موقع ملا اور فن تاریخ کے لیے یہ کوتاہی یقیناً شرمناک ہے کہ ایسے جلیل القدر سلطان کے ''صحیح حالات'' ڈھائی سو برس کے بعد مرتب ہوئے۔(۴۵) ذیل میں چند مشہور الزامات کی تحقیق وتردید تاریخی حوالہ جات کی روشنی میں کی جارہی ہے۔

مندر شکنی کا الزام

اورنگ زیبؒ پر سب سے بڑا اور سنگین الزام یہ ہے کہ وہ مندروں کو دیکھ ہی نہیں سکتا ہے؛ جب کہ حقیقت اس کے برعکس ہے چنانچہ قاضی شوکت فہمی لکھتے ہیں کہ

''سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب وہ مندروں کا اتنا بڑا دشمن تھا تو دکن میں ایلورا کے بت کدے کیسے باقی رہ گئے جو عین اورنگ زیبؒ کی قیام گاہ دولت آباد اور نگ آباد کے نواح میں تھے''۔(۴۶)

اس الزام سے پردہ مسلمانوں نے ہی نہیں بلکہ ہندو عالموں اور محققین نے بھی اٹھایا ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ مندر کے انہدام کے بجائے ان کی تعمیر وترقی کے لیے جاگیریں بھی دی ہیں جن میں الہ آباد، بنارس، چترکوٹ، جکھیار، اجین، گوہاٹی اور جودھپور کے مندر سرفہرست ہیں۔ پنڈت سندر لال

رقم طراز ہیں:

''بے شمار مندروں کو جاگیریں اور معافیاں بھی دی گئی تھیں، آج تک متعدد ہندو مندروں کے پجاریوں کے پاس اورنگ زیب کے دستخطی فرمان موجود ہیں''۔(۴۷)

اسی طرح بنارس فرمان کو زور وشور کے ساتھ اچھالا جاتا ہے(۴۸) جب کہ اس فرمان کا بہ غور مطالعہ یہ بتاتا ہے کہ عالمگیرؒ نے مندروں کی تعمیر کے خلاف کوئی حکم نہیں کیا بلکہ صرف مروجہ دستور کی طرف اشارہ کرتے ہوئے موجودہ مندروں کی توثیق کی تھی۔(۴۹)

وشوناتھ مندر کا انہدام

وشوناتھ مندر بنارس کے انہدام کو بھی متعصبین نے خوب اچھالا؛ مگر اس کی حقیقت کچھ اور تھی؛ چناں چہ ڈاکٹر بی این پانڈے لکھتے ہیں کہ

''بنگال جاتے وقت راجاؤں کی درخواست پر رانیاں گنگا اشنان اور وشوناتھ کی پوجا کے واسطے اس مندر میں گئیں، کچھ رانیوں کے سوا سب آگئیں، تلاش کے باوجود نہ ملنے پر اعلیٰ عہدیداروں کو بھیجا گیا وہ گنیش مورتی کے پاس پہنچے، حرکت دینے پر سیڑھیاں نظر آئیں جو اندر تہہ خانہ میں جاتی تھیں وہاں رانیوں کو عصمت دری کے بعد روتا پایا، احتجاج کے بعد بادشاہ نے حکم دیا کہ یہ مقدس جگہ ناپاک ہوگئی ہے؛ اس لیے مورتی کو دوسری جگہ منتقل کرکے مندر کو زمین بوس کردیا جائے اور مہنت کو گرفتار کیا جائے''۔(۵۰)

اس سے معلوم ہوا کہ اورنگ زیبؒ نے کسی بھی مندر کو بر بنائے تعصب گرانے اور منہدم کرنے کا حکم نہیں دیا؛ بلکہ اسلامی تعلیمات کو سامنے رکھتے ہوئے بلاتفریق مذہب وملت ہر ایک کے ساتھ یکساں معاملہ کیا۔(۵۱)

ہندو دشمنی کا الزام

علامہ شبلی نعمانیؒ اس الزام کا خلاصہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

''سب سے بڑا جرم؛ بلکہ مجموعہ جرائم یہ ہے کہ عالم گیرؒ نے ہندوؤں کو ملازمت سے یک قلم برطرف کردیا ان کے مذہبی میلے ٹھیلے موقوف کرادیئے ان کی درسگاہیں بند کروادیں بت خانہ تڑوادیئے''۔(۵۲)

اس الزام کی اصل حقیقت کا اندازہ اس کی مذہبی رواداری، بے تعصبی اور ہندوؤں کو ملازمت میں نہ صرف شرکت بلکہ مناصب دینے سے لگایا جاسکتا ہے۔

اورنگ زیب کی مذہبی رواداری

اورنگ زیب کے عہد میں جب یورپین سیاح ہملٹن ہندوستان آیا تو اس نے یہاں کی مذہبی، رواداری کی تفصیل یوں بیان فرمائی کہ

''ریاست کا مسلمہ مذہب اسلام ہے؛ لیکن تعداد میں اگر دس ہندو ہیں تو ایک مسلمان ہے ہندوؤں کے ساتھ مذہبی رواداری پورے طور پر برتی جاتی ہے وہ اپنے برت رکھتے ہیں اور اسی طرح تہوار مناتے ہیں جیسے کہ اگلے زمانے میں مناتے تھے جب کہ حکومت خود ہندوؤں کی تھی''۔(۵۳)

حقوق ملازمت

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اورنگزیبؒ نے ہندوؤں کو سرکاری ملازمتوں سے برطرف کردیا؛ جب کہ حقائق کچھ اور کہتے ہیں؛ چناں چہ بنگال کے مشہور عالم ''پی رائے'' نے بیان کیا ہے کہ

''اورنگ زیب کے عہد میں بنگال کے ہندوؤں کو منصب داری اور بڑی بڑی جاگیریں عطا کی گئیں۔ بڑے بڑے زمین دار بنا دیئے گئے، اورنگ زیب نے ہندوؤں کو گورنر بنایا، گورنر جنرل، وائسرائے یہاں تک کہ خالص اسلامی صوبہ افغانستان پر بھی جو نائب دارالسلطنت تھا وہ ہندو راجپوت ہی تھا''۔(۵۴) ان کی ایک لمبی فہرست ہے۔(۵۵)

عالم گیرؒ کی بے تعصبی

سید طفیل منگلوری لکھتے ہیں:

''ملازمتوں کے بارے میں مشہور ہے کہ ایک شخص نے انھیں (اورنگ زیبؒ کو) عرضی دی کہ تنخواہ تقسیم کرنے والے دونوں افسر پارسی ہیں، انہیں برخاست کیا جائے۔اس کا جواب یہ ملا کہ: سلطنت کے کاروبار میں مذہب کو دخل نہیں دینا چاہیے، اگر مسائل کی بات پر عمل کیا جائے تو تمام راجاؤں اور ان کی رعایا کا کہاں ٹھکانہ ہوگا شاہی نوکریاں لوگوں کو ان کی صلاحیت وقابلیت ہی کے لحاظ سے ملنی چاہئے''۔(۵۶) یہ تھا شہنشاہ اورنگ زیب کا طرز عمل جس پر ہندو دشمنی کا الزام لگایا جاتا ہے۔

درسگاہوں کا بند کرنا

شاہ جہاں کے عہد میں ہندو مسلمانوں پر جبر کرنے لگے تھے، داراشکوہ کے طرز عمل نے مزید بے باکی دے دی، وہ اپنے پاٹ شالوں میں مسلمان بچوں کو اپنے مذہبی علوم سکھانے لگے، ایسی ترغیب دینے لگے کہ مسلمان ان کے پاٹ شالوں میں آنے لگے عالم گیرؒ نے ان ہی مدرسوں کو بند کرایا، مآثر عالم گیری میں ہے:

''بادشاہ پناہ کو معلوم ہوا کہ ٹھٹھ وملتان میں بالعموم اور خاص کر بنارس میں برہمنوں نے مدارس قائم کیے ہیں اور کتب باطلہ کی درس وتدریس میں مشغول ہیں، قبلہ عالم نے صوبہ جات کے نظمار کے نام فرامین جاری کر کے ان مدارس کو مسمار کرنے کا حکم دیا کہ ان کے علوم وفنون کی درس وتدریس کی تاکید کے ساتھ ممانعت کی جائے''۔(۵۷)

اس سے معلوم ہوا کہ انہدام کی اصل وجہ کیا تھی۔ درحقیقت ہندوؤں کی علمی وتعلیمی ترقی میں صرف اورنگ زیبؒ ہی نے نہیں بلکہ دوسرے مسلم حکمرانوں نے بے پناہ کوششیں کی ہیں۔(۵۸)

مرہٹوں کو کچلنے کا الزام

عالمگیرؒ پر ایک الزام یہ بھی لگایا جاتا ہے کہ اس نے مرہٹوں(۵۹) کے ٹھکانوں کو اجاڑ کر شیواجی کے لڑکے سمبھا اور اس کے برہمن وزیر کو قتل کر کے اولاد کو قید خانہ میں ڈال کر بری طرح کچلا۔ اس کی تردید کرتے ہوئے قاضی شوکت فہمی لکھتے ہیں کہ

''ذرا سوچئے! اور غور کرنے کی بات ہے کہ کیا موجودہ زمانہ کی کوئی مہذب سے مہذب حکومت بھی اس قسم کے باغیوں کو برداشت کرسکتی ہے۔ اورنگ زیبؒ نے تو پھر شیواجی کی اولاد کے ساتھ رحم ومروت، پوتے کو منصب وجاگیر، خاندان کے بچوں کے وظیفہ جاری کر کے اچھا برتاؤ کیا، لیکن انھوں نے پھر بھی بغاوتیں کیں، ان کے جواب میں اگر ان کے ساتھ سختی کی جاتی ہے تو اس خالص سیاسی معاملہ کو مذہب کا رنگ دینا کہاں کا انصاف ہے''۔(۶۰)

جنگ برادران

عالم گیرؒ کے فرد جرم کا ایک اہم حصہ یہ ہے کہ اس کا دامن بھائیوں کے خون کے چھینٹوں سے داغ دار ہے۔

شاہ جہاں کی بیماری، داراشکوہ کی بادشاہ کی خبروں پر نگرانی، بنگال، گجرات اور دکن کے راستوں کا بند کرنا، بھائیوں کے وکلاء کی گرفتاری، عیسی بیگ کے گھر کا ضبط کرنا، بغیر اس کے کہ کسی شہزادہ کی طرف سے پیش قدمی ہو، مراد، عالمگیر اور شجاع کے مقابلہ کے لیے فوجیں روانہ کرنا، یہ وہ واقعات ہیں کہ جنھوں نے جنگ کی راہ ہموار کی اور داراشکوہ کی روباہ مزاجی نے اس کے خود ساختہ تصوف وتقویٰ کے خاتمہ کر دینے پر مجبور کیا۔(۶۱)

مراد اگرچہ دلیر، بہادر تھا؛ لیکن ساتھ ہی سادہ لوح آسانی کے ساتھ دام میں آنے والا تھا۔ جب متحدہ طور پر داراشکوہ پر فتح حاصل ہوئی تو تن تنہا مالک بننے پر لوگوں نے بہکایا، اس لیے عالمگیر سے علیحدہ

ہوکر عالم گیرؒ کے امراء کو بھاری تنخواہ پر توڑنے لگا۔ مجبوراً عالمگیر کو اس کا بندوبست کرنا پڑا۔ (۶۲) اور شجاع کی غداری کے سبب حملہ کیا گیا جس سے وہ فرار ہوگیا (۶۳) بہ قول علامہ سید سلیمانؒ:

''یہ قطعی امر ہے کہ داراشکوہ جب تک زندہ رہتا، سازشیں برپا رہتیں، ملک کو امن وامان نصیب نہ ہوتا، اس لیے عالمگیر کو بھی وہی کرنا پڑا جو خود اس کے باپ شاہ جہاں سے اس کو ترکہ میں ملا تھا شاہ جہاں نے بھائیوں اور بھتیجوں کو قتل کروایا تھا عالمگیر کو بھی اس قسم کی بھینٹ چڑھانے کا حق تھا''۔ (۶۴)

شبہ کا ازالہ

اعتراض کیا جاتا ہے کہ ان کو کسی محفوظ مقام پر بند کردیا جاتا، عالمگیرؒ ان کے خون سے اپنے ہاتھ رنگین نہ کرتا، جواب یہ ہے کہ تیموری سلاطین بلکہ تمام ایشیائی سلطنتوں میں مدعیان سلطنت قید وبند ہوکر بھی اپنے منصوبوں سے دست بردار نہیں ہوتے بلکہ ان کے حامیان کا گروہ اس وقت تک موجود رہتا ہے جب تک نخل آرزو کے تمام رگ وریشے نہ کٹ جائیں۔ (۶۵)

شاہ جہاں کی معزولی ونظر بندی

عالمگیر پر الزام لگایا جاتا ہے کہ شاہ جہاں کا مدمقابل نہیں بلکہ داراشکوہ کا تھا پھر اس نے اقتدار پانے کے بعد شاہجہاں کو تخت پر متمکن کیوں نہیں کیا؟ بلکہ معزول رکھا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ شاہجہاں کو اقتدار سونپنے کا ارادہ ہی تھا؛ اسی لیے آگرہ گیا تھا؛ مگر وہاں پہنچ کر دیکھا کہ شاہجہاں خود اس کی جان کا گاہک ہے اور اس کے خون کا پیاسا ہے (۶۶) تو اس نے واپس آکر خودمختاری کا اعلان کیا۔

عام طور پر یہی مشہور ہے کہ شاہ جہاں کو عالمگیرؒ نے معزول کرکے قلعہ میں محبوس کردیا حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے اور قصوروار دارا ہے۔ وکلاء کو بند کرنا، خبروں کو روک لینا، معزول کردینے کے مترادف ہے، علاوہ ازیں شاہ جہاں کے لیے آگرہ کی ہوا غیر مناسب ہونے کی وجہ سے اطباء نے دہلی جانے کا مشورہ دیا؛ لیکن چونکہ یہ حکم دارا کی مصلحت کے مخالف تھا؛ اس لیے اس پر عمل اور شاہ جہاں کی خواہش کو پوری نہ ہونے دیا۔ اپنی مرضی کے مطابق فرامین مرتب کرنا یہ وہ امور ہیں کہ جن سے پتہ چلتا ہے کہ شاہ جہاں معزول کردیئے گئے؛ اس لیے اس کی رہائی کے لیے تینوں نے کمر کس لی اور جنگ برادران پیش آئی اور حالات کے مطابق اورنگ زیبؒ نے تخت سنبھالا۔

جامع مسجد کا انہدام

اسی طرح گولکنڈہ کے حاکم تانا شاہ کے محصول کی عدم ادائیگی مزید اس رقم کو دفن کرکے اس

پر جامع مسجد کی تعمیر ہوئی اطلاع یابی کے بعد اس مسجد کے انہدام اور مدفون کو ضبط کر کے رفاہ عام میں خرچ کرنے کا حکم دیا۔(۶۷)

یہ اور ان جیسے اور الزامات جنہیں متعصب مؤرخین نے مسلمانوں کے خلاف محاذ قائم کرنے، ہندو مسلم میں منافرت پیدا کرنے کے لیے غلط کاری، فریب بازی اور دانستہ تحریف کی وجہ سے جنم دیا ان کی تردید، حالات، واقعات اور اصل حقائق کو سامنے رکھ کر کی جاسکتی ہے اور اصل تصویر تک پہنچا جا سکتا ہے۔

وفات وتدفین

آہ! ہندوستان میں اسلامی سلطنت کا عظیم حکمراں، ۵۱/سالہ جہاں بانی و جہاں رانی کے نقوش ثبت کرنے والا عظیم مرد مجاہد، ہندوستان کے متفرق اجزاء کو جوڑ کر اس کی زلفوں کو سنوارنے والا بادشاہ اسلامی احکام وتعلیمات کے اجراء کے کوشاں، شریعت اسلامی کے پاسباں نے ۲۸/ذی قعدہ ۱۱۱۸ھ مطابق ۲۰۷۱ء بروز جمعہ فجر کی نماز ادا کی، کلمۂ توحید کے ورد میں مشغول ہو گئے کچھ ہی حصہ گزرا تھا کہ روح قفس عنصری سے عالم بقاء کی طرف ۹۱/سال کی عمر میں پرواز کر گئی۔ رحمه الله تعالى رحمة واسعة.

قصبہ جلال آباد ضلع اورنگ آباد احاطہ درگاہ حضرت زین العابدین قدس سرہ میں مدفون ہوئے۔(۶۸)

حرف آخر

یہ ہے ''حضرت اورنگ زیب عالم گیرؒ حیات وکارنامے اور الزام تراشی کی تردید'' کی ایک جھلک اور نمونہ اگر تفصیل سے گفتگو کی جائے تو کئی ضخیم جلدیں تیار ہوسکتی ہیں۔

ع سفینہ چاہیے اس بحرِ بیکراں کے لیے

حقیقت یہ ہے کہ اورنگ زیبؒ نے غیر معمولی صلاحیت، کمالات وخصوصیات اور پوری توانائی کے ساتھ نصف صدی تک انتہائی وقار و دبدبہ کے عالم میں، بیدار مغزی، فرض شناسی اور جز وکل پر واقفیت کی وجہ سے بلا امتیاز مذہب وملت ظلم و جبر کا مقابلہ، سرکشوں و باغیوں کی سرکوبی کرتے ہوئے اپنی رعایا کو عیش وآرام پہنچایا۔ دینی، علمی، رفاہی وسیاسی طور پر ملک کی خدمت کرتے رہے۔ حق وانصاف کی مدد کی، نادر روزگار علم وفن کے شاہ کار پیش کیے اور حوصلہ وہمت، جواں مردی و بہادری کے ساتھ زوال وانحطاط کی تمام طاقتوں کو روک کر کھڑے رہے، مگر یہ اس کی بدقسمتی کہیے کہ اس نے

ایسے نااہل جانشیں چھوڑے جس سے مغل سلطنت کا چراغ ڈوبتا ہی چلا گیا۔اور ۱۸۵۷ء میں بہادر شاہ ظفر کے بعد ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہوگیا۔اگر ایک بھی جوہر قابل نکلتا تو مغل خاندان کی عمر اور ہندوستان میں اسلامی حکومت مزید بڑھ جاتی۔

❁ ❁ ❁

حواشی

(۳۷) ہندوستان سے محبت وشیفتگی کے جذبات ص/۱۷۲۔
(۳۸) مختصر تاریخ ہند از ابوظفر ندوی ص/۱۶۴۔
(۳۹) ہندوستان سلاطین کے عہد میں صفحہ:۲۹۰۔
(۴۰) ہفت روزہ نئی دنیا خصوصی شمارہ دسمبر ۲۰۱۱ء صفحہ ۱۹، مغل بادشاہوں کے عہد میں۔صفحہ:۱۷۱۔
(۴۱) ترطیب الافواہ بذکر من یظلہم اللہ صفحہ:۲۱۹۔ (۴۲) المسلمون فی الہند صفحہ ۵۱۔
(۴۳) ترطیب الافواہ بذکر من یظلہم اللہ ص/ ۲۱۹ (۴۴) ترطیب الافواہ بذکر من یظلہم اللہ صفحہ ۲۱۹۔
(۴۵) ہندوستان کے عہد ماضی میں مسلم حکمرانوں کی مذہبی رواداری جلد/۳ صفحہ ۳۳۔
(۴۶) ہندوستان پر مغلیہ حکومت صفحہ ۲۹۰۔ (۴۷) علمائے ہند کا شاندار ماضی جلد/ا صفحہ ۲۹۵۔
(۴۸) ہندوستان میں مغلیہ حکومت ص/۲۰۔
(۴۹) ہندوستان میں قومی یکجہتی کی روایات صفحہ ۴۹ بحوالہ روزنامہ الجمعیۃ قومی اتحاد نمبر صفحہ ۶۰۔
(۵۰) ملاحظہ ہو: فرامین سلاطین صفحہ ۵۹، ہندو مندر اور اورنگ زیب کے فرامین صفحہ ۱۴۔
(۵۱) ہندو مندر۔صفحہ ۱۵۔ (۵۲) ایضاً صفحہ ۲۲۔
(۵۳) تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو: اسلام اور ہندوستانی ثقافت صفحہ ۲۳ تا ۲۵، تاریخ ہند عہد وسطی میں صفحہ ۲۰۷ تا ۲۷۹، ماہنامہ دارالعلوم دیوبند ذی الحجہ ۲۹ھ۔
(۵۴) اورنگ زیب عالم گیر پر ایک نظر صفحہ ۵۹۔
(۵۵) سلاطین ہند جلد/۲ صفحہ ۱۱۹، ہند عہد اورنگزیب میں صفحہ ۴۸۔ (۵۶) بحوالہ روشن مستقبل صفحہ ۴۵۔
(۵۷) تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو: عالمگیر صفحہ ۳۱، مذہبی رواداری صفحہ ۱۲۳ تا ۱۳۳ جلد/۳۔
(۵۸) روشن مستقبل صفحہ ۵۳۔ (۵۹) مآثر عالمگیری ص/۶۹۔
(۶۰) ملاحظہ ہو: ہندوؤں کی علمی وتعلیمی ترقی میں مسلمان حکمرانوں کی کوشش از علامہ سید سلیمان ندوی۔
(۶۱) تفصیلی حالات کے لیے ملاحظہ ہو: مفتاح التاریخ جلد/۲ صفحہ ۲ تا ۱۵۔
(۶۲) ہندوستان پر مغلیہ حکومت ص/۲۹۲۔ (۶۳) علمائے ہند کا شاندار ماضی جلد/ا صفحہ ۲۹۶ تا ۲۹۷۔
(۶۴) اورنگ زیب پر ایک نظر صفحہ ۹۵۔ (۶۵) علمائے ہند کا شاندار ماضی صفحہ ۳۰۱ جلد/ا۔
(۶۶) اسے آگرہ پہنچنے کے بعد ملاقات کے لیے جاتے وقت ایک خط ملا جس سے پتہ چلا کہ خواجہ سراؤں، لونڈیوں وغیرہ کو مسلح کر کے حملہ کرنے کا ارادہ تھا۔علمائے ہند کا شاندار ماضی صفحہ ۳۰۲ جلد/ا۔
(۶۷) ہندو مندر۔صفحہ ۲۳، قوانین عالم میں اسلامی قانون کا امتیاز صفحہ ۳۴۔ (۶۸) منتخب اللباب جلد/۳ ص/۴۷۱۔

❁ ❁ ❁

زکی کیفیؔ اور ان کی شعری کیفیات

از: ندیم احمد انصاری
ڈائرکٹر الفلاح اسلامک فاؤنڈیشن، انڈیا

کیفیؔ کے کلام میں عرفان وآگہی، سنجیدگی وشایستگی، دل کشی ورعنائی اور نرمی ولطافت سبھی کچھ موجود ہے، اس کے باوجود نہ جانے کیوں ان کے شعروفن پر اس طرح توجہ نہیں دی گئی، جس کا وہ بجا طور پر استحقاق رکھتے تھے۔ اس کی ایک وجہ شاید خود ان کی تواضع وکسرنفسی بھی ہے۔ حال یہ تھا کہ سالہا سال کے گہرے روابط کے باوجود ماہرالقادری نے ۱۹۵۵ء میں انھیں شعر کہتے ہوئے سنا، اس سے قبل وہ خاموش سامع بنے رہے؛ جب کہ ان کے مکان پر مشاعرے ہوا کرتے تھے۔ اس حساب سے ان کی شعرگوئی کی عمر ان کی وفات یعنی سن ۱۹۷۵ء تک تقریباً ۲۰ سال ہوتی ہے۔

اب تو زکی کیفیؔ کا کلیات بنام 'کیفیات' شایع ہو چکا ہے، جو تین حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصّے میں ایک حمد، تیس نعتیں اور دو قصیدے، دوسرے حصے میں ڈیڑھ سو سے زائد غزلیں اور تیسرے حصے میں جذبۂ حب الوطنی سے پُر اٹھائیس ملّی نظمیں ہیں۔ برسوں روزانہ ان کا قطعہ روزنامہ ''وفاق'' (لاہور) میں شایع ہوتا تھا، جس سے ان کی قدرتِ کلام، مشّاقی اور طبیعت میں ہمہ گیری وجودت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

خاندان وولادت

کیفیؔ کا سلسلۂ نسب اس طرح ہے: محمد زکی، بن محمد شفیع، بن محمد یاسین، ابن خلیفہ تحسین علی، بن میاں جی امام علی، بن میاں جی حافظ کریم اللہ، ابن میاں جی خیر اللہ، بن میاں جی شکر اللہ۔ (دیکھیے حیاتِ مفتیِ اعظم) جو آگے حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے، جس کے لیے کوئی ٹھوس ثبوت تو دستیاب نہیں؛ لیکن بڑے بزرگوں کا یہی کہنا ہے۔ جیسا کہ ان کے والد صاحب کا بیان ہے:

مجھے اپنے خاندان کا کوئی موثر اور مستند نسب نامہ ہاتھ نہیں آیا، جس سے خاندان کے صحیح اور مستند حالات معلوم ہوتے؛ مگر اپنے خاندان کے بزرگوں سے بتواتر یہ بات سنی ہے کہ ہمارا خاندان حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی اولاد میں ہے۔ ان کا اصل وطن قصبہ جوراسی ہے، جو قصبہ منگلور کے پاس دیوبند سے تقریباً تیس میل کے فاصلے پر ہے۔ (میرے والد ماجد اور ان کے مجرب عملیات)

کیفی کی ولادت ہندستان کے مشہور شہر دیوبند میں ۷/مارچ ۱۹۲۶ء کو سابق مفتیِ اعظم ہند ثم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی رحمہ اللہ کے ہاں ہوئی۔ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی نے ان کا نام محمد زکی تجویز فرمایا اور تاریخی نام سعید اختر (۱۳۴۵ھ) رکھا گیا (جس میں آٹھ دن حذف کرنے پڑتے ہیں)۔ بعد میں جب انھوں نے شعر وسخن کا سلسلہ شروع کیا تو کیفی تخلص اختیار کرلیا۔ ان کی ذہانت وذکاوت اور حاضر جوابی بچپن سے ہی حیرت انگیز تھی۔ (دیکھیے: نقوشِ رفتگاں)

تعلیم وابتدائے سخن

کیفی کی ابتدائی تعلیم دارالعلوم دیوبند میں ہوئی۔ فارسی وریاضی کی تکمیل کے بعد درسِ نظامی شروع کیا؛ مگر بعض حالات کی بنا پر چوتھے سال کے بعد درسِ نظامی کی تعلیم جاری نہ رہ سکی؛ البتہ حضرت تھانوی کے علاوہ دیوبند میں مولانا سید اصغر حسین جیسے بزرگوں کی صحبت سے فیض یاب ہوتے رہے۔ اسی کا اثر تھا کہ کبھی کسی ماحول سے مغلوب ومرعوب نہیں ہوئے۔ اُنھیں کا شعر ہے ؎

رنگیں ہے ہم سے قصۂ مہر و وفا کہ ہم
اپنی وفا کا رنگ ترے رخ پہ مل گئے

مطالعے کا ذوق وشوق تھا۔ دین ومذہب، شعروادب اور تاریخ وسیاست تمام ہی موضوعات ان کے مطالعے میں رہتے تھے؛ البتہ تاریخ وتصوف سے خصوصی دل چسپی تھی۔ فارسی اور اردو شاعری کا وسیع وعمیق مطالعہ کیا تھا، اور ہر دو زبانوں کے ہزار ہا اشعار انھیں یاد تھے۔ فارسی میں حافظ اور سعدیؔ کے علاوہ نظیریؔ اور عرفیؔ کے مداح اور اردو کے قدیم شعرا میں میرؔ، غالبؔ وداغؔ اور زمانۂ مابعد کے شعرا میں فانیؔ، حسرتؔ، اصغرؔ اور جگرؔ سے متاثر تھے۔

کیفیؔ کے خاندان کے تقریباً ہر مرد وزن کو قدرت نے سخن وری کے زیور سے آراستہ کیا۔ آپ کے والد مفتیِ اعظم، مفسرِ قرآن اور کثیر التصانیف عالمِ دین ہونے کے ساتھ ساتھ ایک قادر الکلام اور

صاحبِ مجموعہ شاعر تھے، برادرِ اصغر جسٹس مفتی تقی عثمانی بھی گونا گوں عظیم علمی و دینی خدمات کے ساتھ ساتھ شعر وسخن میں بھی داد وتحسین حاصل کر چکے ہیں اور خود کیفیؔ کے صاحب زادے سعود عثمانی کے بھی کئی مجموعۂ کلام شایع ہو چکے ہیں۔ اس پورے گھرانے کو عربی، اردو، فارسی اور اب انگریزی میں بھی یدِطولیٰ حاصل ہے۔

کیفیؔ نے نہ صرف اردو میں؛ بلکہ فارسی میں بھی طبع آزمائی کی ہے۔ خاندانی اثرات کہیے یا زورِ مطالعہ کہ انھوں نے ۱۹۴۵ء یعنی فقط انیس سال کی عمر میں باقاعدہ شعر کہنا شروع کر دیا تھا، جو کہ ناپختہ اور ناتجربے کاری کا زمانہ ہوتا ہے؛ مگر اس دور میں بھی کیفی کی شعری کیفیات اس درجے کی تھیں کہ جنھیں پڑھ کر ان کی عمر کا صحیح اندازہ لگانا مشکل ہوتا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

تیرے خمارِ عشقِ ستم میں کمی نہ کر
اتنے تو داغ ہوں کہ گلستاں کہیں جسے

❁

اف تصوّر کی تیرے رعنائی
تجھ سے بھی کچھ سوا حسیں نکلا

معاصرین ادبا وشعرا

جگرؔ مرادآبادی، احسان دانشؔ، ماہرالقادری اور احمد ندیمؔ قاسمی کیفیؔ کے وہ معاصرین ہیں، جن سے ان کے اچھے تعلقات بھی رہے ہیں۔ من جملہ ان کے جگرؔ کافی سینئر ہیں۔ کیفی نے ابتدائے سخن میں جب انھیں اپنی ایک غزل کا یہ مطلع سنایا۔

ہم ہیں قتیل اک بتِ نازک خیال کے
آلامِ روزگار ذرا دیکھ بھال کے

تو جگرؔ مرحوم چونک اٹھے، بڑی داد دی اور مشورہ دیا کہ مشقِ سخن ضرور جاری رکھیں۔ کیفیؔ نے اس مشورے کو احترام کے ساتھ قبول کیا اور اس پر عمل بھی کیا۔

کیفیؔ نے بہت سی زمینوں اور بحروں میں فقید المثال شاعری کی ہے۔ چھوٹی چھوٹی بحروں میں بھی انھیں سلاست کے ساتھ اپنا مافی الضمیر ادا کرنا آتا ہے۔ ایک شعر ملاحظہ ہو۔

دنیا ہے اک رین بسیرا
آج مرا کل تیرا ڈیرا

دیگر شعرا کی طرح کیفی نے اسلاف کا تتبع بھی کیا ہے؛ لیکن اس میں بھی اپنی انفرادیت کو گُم ہونے سے بچائے رکھا۔ وہ اسلاف کی استادی کا اعتراف تو کرتے ہیں؛ لیکن اپنی انفرادیت نہیں چھوڑتے۔ کہتے ہیں ؎

خون جگر پلایئے کیفی ابھی کچھ اور
آساں نہیں ہے کہنا غزل میر کی طرح

پھر ایمائی انداز میں گویا ہوتے ہیں ؎

یا دل میں اترتی ہیں کسی شوخ کی باتیں
یا میر کا اندازِ سخن رام کرے ہے

وفات

کیفیؔ تقسیم ہند کے دوران ۱۹۴۸ء میں پاکستان چلے گئے تھے۔ کراچی پہنچ کر کچھ عرصے کے بعد انھوں نے والدین کے مشورے سے لاہور میں مستقل سکونت اختیار کر لی، اور وہاں انارکلی میں مال روڈ کے قریب ایک وسیع دکان کرائے پر لی اور ادارۂ اسلامیات کے نام سے دینی کتابوں کا ایک کتب خانہ قائم کیا، جو اب تک قائم ہے۔ ۱۳۷۰ھ مطابق ۱۹۵۱ء میں والدین کے ہمراہ پہلا حج کیا اور اس کے بعد بھی متعدد بار انھیں حج کی سعادت نصیب ہوئی۔ والدین سے انھیں مثالی تعلق تھا۔ ان سے دور رہنے کے باجود وہ ان کے چھوٹے چھوٹے مسائل اور تمام جزئیات سے پوری طرح باخبر رہتے اور ادا ادا سے انھیں راحت پہنانے کی فکر کرتے؛ لیکن عظیم باپ کا یہ لائق فرزند اتقریباً اڑتالیس سالوں کی قلیل عمر پوری کر کے دنیاے فانی سے کوچ کر گیا۔

کیفیؔ کی شاعری اہلِ نقد ونظر کی نگاہ میں

کیفی کی شعری کائنات پر بعض مشاہیر اہلِ نقد ونظر کے مختصر مگر جامع تبصرے ملاحظہ ہوں، جو شعروادب میں ان کا مقام ومرتبہ معلوم کرنے میں معاون ہیں۔

معروف شاعر وادیب اور متعدد ادبی رسائل کے مدیر ماہر القادری اردو ادب میں کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ انھوں نے اپنی آنکھوں سے کیفیؔ کو مشاعروں کے سامع سے شاعر بنتے ہوئے دیکھا ہے۔ وہ کیفیؔ کے فن پر گفتگو کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

(ایک عرصے کے بعد) وہ ایک سکّہ بند شاعر (Full Fledged Poet) کی حیثیت سے منظرِ عام پر آ گئے۔ غزل کا ہر نقشِ ثانی نقشِ اول سے بہتر، خوب سے خوب تر کی تلاش وجستجو۔ ایسا محسوس ہوا کہ آغازِ شباب ہی سے شعر گوئی ان کے اندر بالقوہ موجود تھی۔ پاکستان آ کر یہ بالفعل بن گئی، لاہور کی ادبی نشستوں میں اب مولانا زکی کیفیؔ کو اصرار کر کے بلایا جانے لگا۔ نظم کے میدان میں بھی زکی کیفیؔ کے توسنِ فکر وخیال نے جولانیاں کی ہیں۔ غزل زکی کیفی کا اصل میدان ہے۔ غزل ان کی محبوب ترین صنف ہے۔ اُن کی غزلوں میں زبان کا رچاؤ، اظہارِ بیان کا رکھ رکھاؤ اور تغزل کا بناؤ سنگھار ملتا ہے۔ ان کی شاعری میں رنگینی اور سنجیدگی کا خوش گوار امتزاج وتوازن پایا جاتا ہے۔ (ملخصاً از: کیفیات)

ڈاکٹر سید عبداللہ اردو تنقید میں مسلّمہ مقام کے حامل ہیں۔ انھوں نے کیفی کی غزلوں؛ بلکہ پوری شاعری پر نگاہ ڈالنے کے بعد بڑی ذمے داری کے ساتھ تحریر فرمایا ہے:

میں بلا تردّد کہہ سکتا ہوں کہ ان کی غزل جملہ روایتی آدابِ غزل گوئی کے باجود بعض خاص انفرادی نقوش کی حامل ہے۔ کیفی کی غزل میں عشق کی باتیں، وقار اور تمکین کے لہجوں میں نمودار ہوتی ہیں؛ مگر ہر قاری گواہی دے گا کہ اس سے اس تاثیر اور خلوص و صداقت میں سرِ مو فرق نہیں آیا جو ایک حقیقی غزل کے لوازم میں شامل ہے۔ کیفیات میں پیرایہ ہائے خاص بھی ہیں اور نکتہ ہائے دانش بھی، اور وہ سچائیاں تو ہر حال میں موجود ہیں جن کے بغیر کوئی شاعری شاعری کہلانے کی مستحق نہیں۔ (دیکھیے کیفیات)

معروف شاعر وادیب اور انشا پرداز احسان دانشؔ کا بیان ہے کہ کیفی کے کلام میں سہلِ ممتنع کے باوجود محض داد وتحسین حاصل کرنے والی عمومیت نہیں پائی جاتی؛ بلکہ اس میں سادگی کے ساتھ معانی کی رنگارنگی بھی موجود ہے۔ وہ کیفی کی شاعری پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

زکی کیفیؔ کے کلام میں سہلِ ممتنع زیادہ ہے؛ لیکن اس میں وہ عمومیت نہیں جسے اِدھر اُدھر کی داد وتحسین کے ڈونگرے گھٹیا شہرت دیتے ہیں۔ اُن کے اشعار کی سادگی اپنے معانی کی کیاریوں میں رنگارنگ گل بوٹے رکھتی ہے، جو اپنے رنگ وبو سے حُسن کی توانائی اور قوت میں اضافہ کرتے ہیں اور شاعر کو جہانِ جاوداں کی داغ بیل سے رخ نہیں بدلنے دیتے۔ (کیفیات)

معروف شاعر احمد ندیم قاسمی نے بھی کیفی کے فن کی انفرادیت کا اعتراف کیا اور انھیں سلاست و سادگی اور پُرکاری میں جگر و حسرت کی روایت کا بلیغ نمایندہ قرار دیا ہے۔ وہ رقم طراز ہیں:

> زکی کیفی کی غزل میں جو سلاست اور سادگی ہے، وہ روزمرہ اور پُرکاری کا دوسرا نام ہے۔ جگر اور حسرت کی غزل اس پُرکاری کی عمدہ مثال ہے اور زکی کیفی اس روایت کے ایک بلیغ نمایندے ہیں۔۔۔ان کے ہاں جذبے کی جو شایستگی ہے، وہ غزل کہنے والے کم ہی شعرا کے حصے میں آئی ہے۔ (کیفیات)

نمونۂ کلام

آخر میں ہم باذوق قارئین کی خدمت میں اس امید کے ساتھ کہ آیندہ ضرور اردو کے اس باکمال شاعر کو اس کا واجبی حق دیا جائے گا، بہ طور نمونہ ان کے شعری سرمایے سے بعض منتخبہ اشعار درج کرتے ہیں۔ مشتے نمونے از خروارے:

خزاں کے بعد دورِ فصلِ گل آتا ہے گلشن میں
چمن والو خزاں میں پھول مرجھایا ہی کرتے ہیں

❁

شبنم تجھے اجازتِ اظہارِ غم تو ہے
تو خوش نصیب ہے کہ تری آنکھ نم تو ہے

❁

زندگی کی داستاں ہے ایک دیوانے کا خواب
مدتوں سے کہہ رہا ہوں اور کہا کچھ بھی نہیں

❁

جس قدر تسخیرِ خورشید و قمر ہوتی گئی
زندگی تاریک سے تاریک تر ہوتی گئی

❁

آجاؤ اس طرح بھی مثالِ نسیمِ صبح
بیٹھے ہیں ہم بھی غنچۂ دل گیر کی طرح

❁

دعویٰ وفا کا اور تمنّائے قربِ دوست
یہ عشق ہے اگر تو ہوس کس کا نام ہے ؟

❁

ہوں گی کسی کو تیری جفا سے شکایتیں
میری تباہیوں کا مگر یہ سبب نہ تھا

❁

پاسِ ادب سے عشق نے اپنی وفا کا ذکر
اُن سے اگر کیا بھی تو تقصیر کی طرح

❁

اب ہُوا معلوم کیا ہے لذتِ احساسِ غم
دل کی قیمت بڑھ گئی کیفی شکستِ دل کے بعد

❁

دل کا جو حال ہے لفظوں میں بیاں کیسے ہو؟
سانس لینا مجھے مشکل ہے ، فغاں کیسے ہو؟

❁

اچھا ہے رہے دل یوں ہی ناکامِ تمنّا
بنتے ہوئے دیکھا ہے محبت کو ہوس بھی

❁

جب عرضِ غم کی کوئی بھی صورت نہ بن سکی
ہم اُن کی بزمِ ناز میں لے کر غزل گئے

❁

کہنے کو ایک ذرۂ ناچیز ہیں مگر
تعمیرِ کائنات کے کام آرہے ہیں

❁

میں ہوں کہ مرے دم سے ہے مے خانے کی رونق
میرا ہی بھری بزم میں اک جام تہی ہے

❁

تیرے دیوانوں کو خوفِ دار کیا؟
پھول چنتے ہیں تو خوفِ خار کیا؟

❁

پھر مری گرد کو بھی پا نہ سکے گی دنیا
جس کو دل سے مرا بننا ہو وہ اب بن جائے

❁

تمنائیں ہیں لاکھوں کم ہے لیکن فرصتِ ہستی
اقامت کے ارادے ہیں مگر حالت سفر کی ہے

❁

ابھی سے کس لیے ہے عارضِ گلنار پر شبنم
ابھی تو بات محفل میں حدیثِ دیگراں تک تھی

❁

ستارے ڈوبنا شبنم کا رونا شمع کا بجھنا
ہزاروں مرحلے ہیں صبح کے ہنگام سے پہلے

❁

قدم بوسی کی دولت مل گئی تھی چند ذرّوں کو
ابھی تک وہ چمکتے ہیں ستاروں کی جبیں ہو کر

❁ ❁ ❁

حضرت مولانا محمد طلحہ صاحبؒ — حیات وخدمات

(سانحہ ارتحال کے موقع سے تحریر)

از: مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی
رفیق تصنیف دارالدعوۃ والارشاد، یوسف گوڑہ، حیدرآباد
استاذ دارالعلوم دیوبند

آج ملک جن احوال سے گذر رہا ہے، ایسے میں بڑے بڑے اکابر اسلاف علماء کا دنیا سے گذر جانا دل کو نہایت پریشان اور غم آگیں کرنے والا لمحہ ہے، آفات وبلیات سے گذرتی امت کے لیے اکابر علماء کا سایہ، ان کی امت کے تئیں کڑھن، درد وکسک اور ان کی آہِ سحرگاہی امت مسلمہ کے لیے درد کا درماں تھا، لیکن جب خاصان خاص، اللہ والے اور اللہ کے محبوب ومقرب مستجاب الدعوات شخصیات اس دنیا سے گذر جاتے ہیں، تو امت کو اپنی کم دامنی اور کوتاہ قد اور کمزوری کا احساس ہوتا ہے۔

ابھی یہ اندوہ ناک خبر پڑھنے کو ملی کہ علم وعمل کے پیکر محدث عظیم، شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کاندھلویؒ کے فرزند ارجمند حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب سہارنپوری اس دنیا سے کوچ کر کے راہی دار بقا ہوگئے، إنا للّٰه وإنا إليه راجعون۔

حیات وخدمات

آپ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی کے اکلوتے فرزند اور صاحبزادے ہیں، ۲؍جمادی الاولی ۱۳۶۰ھ=۲۸؍مئی ۱۹۴۱ء کو پیدا ہوئے، مدرسہ کاشف العلوم بستی حضرت نظام الدین دہلی اور مظاہر العلوم میں تعلیم حاصل کی اور فراغت مدرسہ کاشف العلوم سے ۱۳۸۳ھ/۱۹۶۳ء میں ہوئی جہاں حضرت مولانا محمد یوسفؒ صاحب امیر تبلیغ حضرت مولانا انعام الحسن صاحبؒ وغیرہ حدیث کی اعلیٰ کتابیں پڑھاتے تھے۔

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ سے بیعت ہوئے اوراجازت وخلافت حضرت شیخ الحدیثؒ نے عطافرمائی۔

۱۴۰۲ھ/۱۹۸۲ء میں مظاہرعلوم سہارن پور کے رکن شوری وسرپرست منتخب ہوئے، ۱۴۰۸ھ/ ۱۹۸۸ء میں جامعہ مظاہرالعلوم کے ''امین عام'' کا عہدہ شروع ہونے کے بعد آپ پہلے امین عام (جنرل سکریٹری) مقررہوئے اوراس منصب پر۱۴۱۳ھ/۱۹۹۳ء تک فائز رہے۔

۱۴۲۸ھ/ ۲۰۰۷ میں دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوری کے رکن منتخب ہوئے، اس کے علاوہ آپ بہت سے اہم مدارس ومعاہد کے سرپرست اورمسلمانوں کی ایک بڑی تعداد کے شیخ ومرشد رہے۔

حضرت کی خصوصیات

آپ بیتی میں چندخصوصیات اور بزرگوں کی عنایات کا تذکرہ بڑے دلچسپ انداز میں موجود تھا، دراصل یہ اقتباس ہی حضرت کی للّٰہیت، توجہ الی اللہ، بزرگان دین کی ان پرخصوصی شفقت وعنایت، ان کی انتظامی صلاحیت، توازن واعتدال اورخدمت کے جذبہ اوراصابت رائے کا پتہ دیتا ہے جوانھیں پدری وراثت میں ملی تھی، میری اس حقیر سراپا تقصیر کی حضرت سے ملاقات ایک دفعہ دارالعلوم کے طالب علمی کے زمانے میں مسلسلات کے سبق میں مظاہرعلوم میں شرکت کے وقت ہوئی تھی اوراس کے بعد حضرت کی دعا میں شرکت بھی میسر آئی تھی، اتفاق سے اسی رات سہارنپور کا مشہور مشاعرہ تھا، جس میں طلبہ نے شرکت کی تھی، یہ خطاکار بھی بعض حیدرآبادی طلبہ کے ساتھ مشاعرہ میں گیا تھا، فجر کے بعد حضرت کا نہایت دل دہلا دینے والا خطاب ہوااور جمعرات کی مبارک رات کے ایسے بےحیا مشاعروں میں گذارنے پر بڑی ڈانٹ پلائی تھی، بڑاافسوس ہوا تھا، واقعۃ اس مشاعرے میں شرکت جیسا کہ حضرت شیخ زکریا صاحبؒ نے ''فضائل اعمال'' میں بتایا ہے کہ کب رات گیارہ بجے مشاعرے میں گئے اور کھڑے کھڑے مشاعرہ سنا اور صبح آئے پتہ بھی نہیں چلا، یعنی عبادت گذار، اللہ کے محبوب بندوں کی شب گذاری پر حضرت نے یہ مثال فضائل اعمال میں پیش کی تھی کہ وہ اللہ کی محبت میں ایسے شب گذاری کرتے ہیں، جیسے ان معصیتوں میں شرکت کرنے والوں کوراتوں کا پتہ ہی نہیں چلتا، کب گذری، بعد فجر حضرت کا نہایت پرمغز اور خوف وخشیت اور ضیاع وقت اور خصوصاً ایسے مشاعروں میں جمعرات کی مبارک رات گذارنے پر پرمغز خطاب نے دل کوجھنجوڑ کر رکھ دیا تھا۔

آپ بیتی کے آخری حصہ کا یہ اقتباس ملاحظہ ہو، جس میں حضرت مولانا طلحہ صاحب رحمہ اللہ کی خصوصیات اورخوبیوں کا جامع تذکرہ موجود ہے۔

''مولوی محمد طلحہ صاحب: صاحبزادہ عزیز گرامی قدر مولوی محمد طلحہ کی زندگی ہی میں حافظ وعالم وذاکر وشاغل اور صاحب اجازت ہوگئے اور ان پر شروع سے حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری رحمہ اللہ تعالیٰ کی خاص نگاہِ شفقت تھی اور بعض اوقات حضرت نے ان کی خاطر اپنے سفر کا پروگرام ملتوی فرمادیا اور فرمایا: ''طلحہ نے مجھے روک دیا'' ویسے بھی تمام معاصر بزرگوں اور شیخ کے یہاں آنے جانے والے صلحاء علماء کی ان پر نظر خاص رہی، اللہ تعالیٰ نے ان کو انتظامی صلاحیت، توازن واعتدال، تواضع اور خدمت کا جذبہ اور اصابت رائے کا جوہر عطا فرمایا، جو ان کی پدری میراث بھی تھی، حضرت شیخ کے سہارنپور میں رمضان گزرانے کے آخر میں وہی بڑے محرک تھے، شیخ نے ان کی خصوصی تربیت فرمائی اور امکانی حد تک ان کے اندر صاحبزادگی اور مخدومیت کی بو نہیں پیدا ہونے دی؛ اس لیے ان کے دوروں اور شیخ کے اہلِ تعلق میں جانے کو ہمیشہ ناپسند کرتے رہے اور خود بھی اس سے محترز رہے۔

شیخ کے آخری زمانہ قیام مدینہ میں اللہ تعالیٰ نے مع والدہ صاحبہ کے ان کو حضرت شیخ کے پاس پہنچادیا اور ان کو خدمت کا پورا موقع ملا، شیخ کی وفات پر انہوں نے اسی صبر وتحمل کا مظاہرہ کیا اور دوسرے کے لیے باعث تقویت وتسلی بنے، جیسے خود شیخ اپنی زندگی میں تعزیت کرنے والوں کے لیے بن جاتے تھے۔'' (آپ بیتی: ۵۴۳/۲، مکتبہ عمر فاروق کراچی)

حضرت قدس سرہ حضرت شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب رحمہ اللہ کے صاحبزادے اور صاحب علم وفضل اور کئی ایک مدارس کے سرپرست، خصوصاً سہارنپور اور دارالعلوم دیوبند کے رکن شوریٰ تھے اور آخری دور میں امت کے لیے نعمت عظمیٰ تھے، حضرت کا وصال امت کے لیے ایک بڑا سانحہ ہے، اللہ عزوجل حضرت کے درجات کو بلند فرمائے اور محبین معتقدین، متوسلین اور اقرباء ورشتہ داروں کو صبر جمیل نصیب فرمائے!

❁ ❁ ❁

مسائل وفتاویٰ

سوال: میرا سوال یہ ہے کہ میں جس کالج میں پڑھتا ہوں اس کے ہوسٹل میں انتظامیہ کی طرف سے پانی گرم کرنے کی کیتلی، پریس، ہیٹر وغیرہ استعمال کرنا منع ہے۔ اس کے بعد ہمارے احباب اس کو بلا اجازت استعمال کرتے ہیں، تو کیا یہ شرعاً جائز ہے؟ اور اگر کوئی ایسی کیتلی سے بنائی ہوئی چائے پر بلائے تو وچائے بھی پینا کیا شرعاً دُرست ہے؟

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

حامدًا موصليًا ومسلمًا، الجواب وباللّٰہ التوفيق والعصمة: انتظامیہ کی طرف سے ممانعت کے باوجود پانی گرم کرنے کی کیتلی، پریس اور ہیٹر وغیرہ استعمال کرنا شرعاً جائز نہیں ہے، یہ بھی ایک قسم کی چوری اور خیانت ہے، اگر اس طرح کی الکٹرانک کیتلی میں کوئی دوست چائے بنائے اور اس پر آپ کو مدعو کرے تو آپ اس میں شامل نہ ہوں۔

عن أبی حرة الرقاشی، عن عمه... قال رسول اللّٰہ صلی اللہ علیه وسلم: اسمعوا منی تعیشوا، ألا لا تظلموا، ألا لا تظلموا، ألا لا تظلموا، إنه لا یحل مال امرء إلا بطیب نفس منه. [مسند أحمد، رقم: ٢٠٦٩٥] **كتاب السرقة (هي) لغة أخذ الشيء من الغير خفية، وتسمية المسروق سرقة مجاز. وشرعا باعتبار الحرمة أخذه كذلك بغير حق نصابا كان أم لاإلخ** [الدر المختار وحاشية ابن عابدين (ردالمحتار) ١٣٧/٦، ط: زكريا، ديوبند]

فقط واللّٰہ تعالیٰ أعلم بالصواب

محمد اسد اللہ غفرلہ

الجواب صحیح: زین الاسلام قاسمی الہ آبادی، محمد نعمان سیتاپوری غفرلہ — دارالافتاء دارالعلوم دیوبند

مفتیانِ دارالافتاء، دارالعلوم دیوبند — ۱۸/۱۱/۱۴۴۰ھ

==========

سوال: میں ایک کمپنی کے ساتھ کام کررہا ہوں اور ہمارا معمول یہ ہے کہ ہم کام شروع کرنے سے پہلے دعا کرتے ہیں، اور کچھ وقت عرصہ سے ہم صبح کی مجلس میں تلاوت قرآن کے بعد اس کا ترجمہ بھی پڑھتے ہیں، اور کبھی کبھار دعا کی مجلس میں کچھ ہی ممبر شریک ہوتے ہیں، اب تمام ممبروں نے ایک نوٹس جاری کیا ہے کہ تین چار دنوں تک جو بھی غیر حاضر ہوگا اس کے اکاؤنٹ سے اس کی تنخواہ کاٹ لی جائے گی، میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ دعا یا قرآن کے ترجمے کی مجلس میں زبردستی اسٹاف کو شریک کرنے کا یہ نوٹس از روئے شرع کیسا ہے؟ کیا منطقی نتیجہ نہیں ہوگا کہ اسٹاف صرف اپنی تنخواہ کو بچانے کے لیے مجلس میں شریک ہوں گے؟

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

حامدًا موصلیًا ومسلمًا، الجواب وباللّٰہ التوفیق والعصمة: دعا کرنا، قرآنِ کریم کی تاوت کرنا وغیرہ انفرادی اور ذاتی اعمال ہیں، کمپنی کے ذمے داران کی طرف سے ملازمین کو انھیں انجام دینے کی ترغیب دینے میں تو کوئی حرج نہیں ہے؛ لیکن اس پر جبر جائز نہیں ہے اور نہ ہی یہ اعمال نہ انجام دینے کی بنا پر ملازمین کی تنخواہ وضع کرلینا جائز ہوگا؛ ہاں کمپنی ملازمین کو اس بات کا پابند بنا سکتی ہے کہ وقت (یعنی کام کا وقت جو طے شدہ ہو) پر آفس میں موجود رہیں، تاخیر کی صورت میں حسب ضابطہ تاخیر کے بقدر تنخواہ وضع کرسکتی ہے۔

فقط واللّٰہ تعالیٰ أعلم بالصواب

محمد اسد اللہ غفرلہ

الجواب صحیح: زین الاسلام قاسمی الہ آبادی، محمد نعمان سیتاپوری غفرلہ — دارالافتاء دارالعلوم دیوبند

مفتیانِ دارالافتاء، دارالعلوم دیوبند — ۲۱/۷/۱۴۳۹ھ

==========

سوال: میرا سوال یہ ہے کہ ایام حیض میں اگر کوئی کچھ بھی نہ کھائے اور پیے اور روزہ دار کی طرح رہے تو یہ صحیح ہے؟ یا پھر کچھ کھا پی لے اور روزہ داروں کی طرح مشابہت رکھے یہ صحیح ہے؟ برائے کرم وضاحت کے ساتھ جواب دیں۔

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

حامدًا موصلیًا ومسلمًا، الجواب وباللّٰہ التوفیق والعصمة: اگر حیض کی وجہ سے روزہ نہیں رکھا یا روزہ کے دوران حیض آ گیا تو اس کے لیے کھانا پینا جائز ہے؛ بلکہ بہتر ہے کہ کچھ کھا پی

لے، بس لوگوں کے سامنے نہ کھائیں؛ البتہ اگر عورت دن کے کسی حصے میں پاک ہوئی ہو تو بقیہ حصے میں کھانا پینا اس کے لیے درست نہیں ہے۔

وهل يكره لها التشبه بالصوم أم لا؟ مال بعض المحققين إلى الأول؛ لأن الصوم لها حرام فالتشبه به مثله. واعترض بأنه يستحب لها الوضوء والقعود في مصلاها وهو تشبه بالصلاة. اهـ تأمل [الدر المختار وحاشية ابن عابدين (ردالمحتار) ١/٤٨٥، ط: زكريا،ديوبند]

يجب على الصحيح وقيل يستحب "الإمساك بقية اليوم على من فسد صومه" ولو بعذر ثم زال "وعلى حائض ونفساء طهرتا بعد طلوع الفجر...." "وعلى حائض ونفساء طهرتا" وأما في حالة تحقق الحيض والنفاس فيحرم الإمساك لأن الصوم منهما حرام والتشبه بالحرام حرام [حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح شرح نور الإيضاح ص: 678،ط: اشرفى، ديوبند] **نیز دیکھیں: امداد الاحکام ۱/۱۳۹، ط: کراچی، احسن الفتاوی ۴/۴۳۸، ط: زکریا)**

فقط واللّٰہ تعالیٰ أعلم بالصواب

محمد اسد اللہ غفرلہ

الجواب صحیح: زین الاسلام قاسمی الہ آبادی، محمد نعمان سیتاپوری غفرلہ — دارالافتاء دارالعلوم دیوبند

مفتیانِ دارالافتاء، دارالعلوم دیوبند — ۱۴۴۰/۱۰/۲۶ھ

==========

احوال وکوائف

از: مولانا محمد اللہ قاسمی
شعبۂ انٹرنیٹ، دارالعلوم دیوبند

طلاق ثلاثہ بل کی پارلیمنٹ میں منظوری شریعت میں دخل اندازی ہے

مرکزی حکومت نے لوک سبھا میں تین طلاق بل کو پاس کرانے کے بعد بالآخر ۳۰؍جولائی ۲۰۱۹ء کو راجیہ سبھا میں بھی پاس کرنے میں کامیاب ہوگئی۔ اس غیر جمہوری اور غیر ضروری بل کی نامعقولیت اور غیر منصفانہ بلکہ متعصّبانہ اور اسلام مخالف ہونے کی وجہ سے خواتین تنظیموں، مسلم اداروں، دانشوران اور اپوزیشن وغیرہ نے مخالفت اور نظر ثانی کی اپیلیں کیں؛ لیکن مرکز کی مودی حکومت اسے ہر حال میں پاس کرانے پر اڑی رہی۔

دارالعلوم دیوبند کے مہتمم حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی نے اس خبر پر ردعمل کرتے ہوئے کہا کہ طلاق ثلاثہ بل شریعت میں راست طور پر دخل اندازی اور جمہوریت کے ساتھ کھلواڑ ہے۔ اپنے سابقہ موقف کو دہراتے ہوئے انھوں نے کہا کہ نکاح وطلاق کے امور کا تعلق مذہب سے ہے اور اس مسئلہ میں قانون سازی ملک کے آئین میں تمام مذاہب کو دی گئی مذہبی آزادی کے خلاف ہے۔ انھوں نے کہا کہ مسلمانوں کو خلاف شریعت کوئی قانون منظور نہیں اور وہ ہمیشہ اپنے مذہبی معاملات میں شریعت اسلامیہ پر عمل کے پابند رہیں گے۔

حضرت مہتمم صاحب نے صدر جمہوریہ ہند جناب رام ناتھ کووند سے بھی اپیل کی کہ پارلیمنٹ میں منظور شدہ طلاق ثلاثہ بل پر دستخط کرنے کے بجائے اسے نظر ثانی کے لیے واپس بھیج دیں؛ کیوں کہ یہ قانون جمہوری نظام، دستورِ ہند میں دی گئی مذہبی آزادی اور حقوق نسواں کے خلاف ہے۔

دارالعلوم دیوبند میں جشن یوم آزادی کا انعقاد

دارالعلوم دیوبند نے یوم آزادی ۱۵؍اگست ۲۰۱۹ء کو شیخ الہند منزل کے احاطے میں جشن

یوم آزادی کی عظیم الشان تقریب کا اہتمام کیا۔ اس تقریب کی صدارت حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی نے انجام دی، حضرت مہتمم صاحب ان دنوں سفر حج پر تھے۔ تقریب میں ڈی ایم سہارن پور جناب آلوک کمار پانڈے (آئی اے ایس)، ایس ایس پی سہارن پور جناب دنیش کمار پی (آئی پی ایس)، ایم پی سہارن پور جناب حاجی فضل الرحمٰن صاحب کے علاوہ نائب مہتمم دارالعلوم حضرت مولانا عبدالخالق مدراسی، رکن مجلس شوریٰ حضرت مولانا انوار الرحمٰن بجنوری، حضرت مولانا محمود حسن راجستھانی اور دارالعلوم کے اساتذہ وکارکنان نے بہ طور خاص شرکت کی۔

پرچم کشائی اور قومی وملی ترانوں کے بعد صدر جلسہ حضرت مولانا ارشد صاحب مدنی نے حاضرین سے خطاب کیا۔ انھوں نے فرمایا کہ علمائے کرام نے اس ملک کی حفاظت اور سالمیت کے لیے آزادی کی لڑائی کا آغاز ۱۸۵۷ء سے پہلے ہی کر دیا تھا اور وہ اس عظیم مقصد کے حصول کے لیے کبھی کسی سے پیچھے نہیں رہے۔ انھوں نے کہا کہ ملک کا بھائی چارہ اور بقائے باہم ہی ملک کی سالمیت کا ضامن ہے، فرقہ پرستی اور نفرت کی گرم بازاری سے ملک کا بھلا نہیں ہوسکتا۔ اس موقع پر دیگر حضرات بہ طور خاص ڈی ایم سہارن پور جناب آلوک کمار پانڈے اور ایس ایس پی سہارن پور جناب دنیش کمار پی نے اپنے خیالات کا اظہار کیا اور دارالعلوم کے تئیں گراں قدر تاثرات پیش کیے۔

❁ ❁ ❁

وفیات

از: مولانا محمد اللہ قاسمی
شعبۂ انٹرنیٹ، دارالعلوم دیوبند

حضرت مولانا محمد طلحہ سہارن پوری کا انتقال

یکم ذوالحجہ ۱۴۴۰ مطابق ۱۲؍اگست ۲۰۱۹ء کو یہ اندوہ ناک خبر ملی کہ شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا کاندھلویؒ کے فرزند ارجمند حضرت مولانا محمد طلحہ سہارنپوری اس دنیا سے کوچ کر کے راہیِ دار بقا ہوئے، إنا للّٰہ وإنا إلیہ راجعون! آپ اکابر واسلاف کی نشانی، علماء وعوام کے محبوب بزرگ اور خدا رسیدہ شخص تھے۔

دارالعلوم دیوبند میں آپ کے انتقال پر دعائے مغفرت اور ایصال ثواب کا اہتمام کیا گیا۔ قائم مقام مہتمم حضرت مولانا عبدالخالق صاحب مدراسی نے حضرت کے متعلقین کو تعزیت مسنونہ پیش کی اور حضرت مولانا عبدالخالق سنبھلی نائب مہتمم کی قیادت میں ایک وفد نے نماز جنازہ میں شرکت کی۔ حضرت مولانا سید ارشد صاحب مدنی نے نماز جنازہ پڑھائی۔

آپ مظاہر علوم سہارن پور کے سرپرست اور دارالعلوم دیوبند کی مجلسِ شوریٰ کے رکن تھے۔ ۲؍جمادی الاولیٰ ۱۳۶۰ھ/ ۲۸؍مئی ۱۹۴۱ء کو نظام الدین دہلی میں پیدا ہوئے۔ مدرسہ کاشف العلوم بستی حضرت نظام الدین دہلی اور مظاہر علوم میں تعلیم حاصل کی اور مدرسہ کاشف العلوم سے ۱۳۸۳ھ/ ۱۹۶۳ء میں فراغت حاصل کی جہاں حضرت مولانا محمد یوسفؒ صاحب امیر تبلیغ، حضرت مولانا انعام الحسن صاحبؒ وغیرہ حدیث کی اعلیٰ کتابیں پڑھاتے تھے۔ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ سے بیعت ہوئے اور اجازت وخلافت آپ کے والد ماجد حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا کاندھلویؒ نے عطا فرمائی۔

۱۴۰۲ھ/ ۱۹۸۲ء میں مظاہر علوم سہارن پور کے رکن شوریٰ و سرپرست منتخب کیے گئے۔

۱۴۰۸ھ/ ۱۹۸۸ء میں جامعہ مظاہر علوم کے امین عام کا عہدہ شروع ہونے کے بعد آپ پہلے امین عام (جنرل سکریٹری) مقرر ہوئے اور اس منصب پر ۱۴۱۳ھ/۱۹۹۳ء تک فائز رہے۔ ۱۴۲۸ھ/ ۲۰۰۷ء میں دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن منتخب کیے گئے۔ اس کے علاوہ آپ بہت سے اہم مدارس و معاہد کے سرپرست اور مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد کے شیخ و مرشد رہے۔

اس دور میں آپ کی ذات امت کے لیے ایک عظیم نعمت تھی، آپ کا وصال امت کے لیے ایک بڑا سانحہ ہے، اللہ عزوجل آپ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور محبین و متعلقین کو صبر جمیل نصیب فرمائے۔ آمین!

حضرت مولانا عبدالخالق مدراسی کو صدمہ

۱۸/ اگست کو قائم مقام مہتمم دارالعلوم حضرت مولانا عبدالخالق صاحب مدراسی کے بھائی جناب عبدالہادی صاحب اپنے اہل خانہ کے ساتھ کار حادثہ کا شکار ہوگئے جس میں ان کی اہلیہ موقع پر ہی انتقال کر گئیں اور وہ خود شدید زخمی ہوگئے۔ یہ واقعہ وانمباڑی (تمل ناڈو) میں پیش آیا جہاں دیر رات کو سفر کے دوران تیز بارش کی وجہ سے کار بے قابو ہوکر پلٹ گئی۔ اللہ تعالیٰ مرحومہ کی مغفرت فرمائیں اور حضرت مولانا کے بھائی کو شفائے کاملہ اور ان کے اہل خانہ کو صبر جمیل عطا فرمائیں۔

حضرت مولانا ریاض احمد قاسمی کا انتقال

جامعہ اسلامیہ خادم الاسلام ہاپوڑ کے مہتمم حضرت مولانا ریاض احمد صاحب قاسمی کا ۴/ اگست کو انتقال ہوگیا۔ مولانا مرحوم کے صاحب زادے جناب مفتی کوکب عالم صاحب میرٹھی دارالعلوم دیوبند کے وسطیٰ ب کے استاذ ہیں۔ مولانا ریاض احمد صاحب ۱۹۶۲ء میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوئے اور ۱۹۶۸ء سے ہی خادم الاسلام ہاپوڑ میں بہ طور مدرس وابستہ ہوگئے تھے۔ وہ جمعیۃ علماء کی بھی سرگرم رکن تھے۔ قائم مقام مہتمم حضرت مولانا عبدالخالق مدراسی صاحب نے ان کی وفات پر مولانا کے صاحبزادگان اور جامعہ اسلامیہ خادم الاسلام کے ذمہ داران سے تعزیت کی اور حضرت مولانا عبدالخالق سنبھلی نائب مہتمم دارالعلوم نے نماز جنازہ میں شرکت کی۔

❁ ❁ ❁